مکمل ناول

عینا نے ٹیرس پر کھڑے کھڑے چاروں طرف دیکھا یہاں سے پچھلا لان اور حمیدہ کا کوارٹر نظر آتا تھا۔ اس کی نظر حمیدہ کے کوارٹر سے ہوتی ہوئی اس وسیع و عریض لان کے دائیں طرف انیکسی پر پڑی تھی۔ انیکسی میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ یکدم چونکی۔

اس وقت بھلا کس نے انیکسی میں لائٹ جلائی ہے۔ انیکسی تو ہمیشہ بند رہتی تھی اور دو ماہ میں اس نے کسی کو اس کی صفائی کرتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بار اس نے حمیدہ سے پوچھا بھی تھا کہ کیا انیکسی کی صفائی نہیں کی جاتی تو حمیدہ نے بتایا تھا کہ چھوٹے صاحب کا آرڈر نہیں ہے۔ پھر اس نے مزید تفصیل نہیں پوچھی تھی۔

اس وقت وہاں لائٹ جل رہی تھی۔ حالانکہ مغرب کے بعد جب سلاد کے لیے لیموں توڑنے باہر نکلی تھی تو انیکسی میں اندھیرا تھا۔ پھر اس وقت۔ کہیں کوئی چور تو نہیں گھس آیا۔ اس طرف تو چوکیدار بھی نہیں ہے کوئی باؤنڈری وال کود کر تو اندر نہیں آگیا اور اب مزے سے روشنی جلائے انیکسی کی تلاشی لے رہا ہے۔ اور کیا خبر وہاں کوئی قیمتی چیز ہو اس لیے تو حمیدہ کہہ رہی تھی کہ صاحب کا آرڈر نہیں ہے انیکسی میں جانے کا۔ وہ ہمیشہ جانے سے پہلے لاک کر جاتے ہیں۔۔۔ تو۔

اس نے ایک بار پھر انیکسی سے آتی روشنی کو دیکھا اور پھر گھر پر نظر ڈالی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ حمیدہ اور رفیق اپنے کوارٹر میں جا چکے تھے۔ بیگم فراز کسی ڈنر پر انوائیٹڈ تھیں اور ان کی واپسی رات بارہ بجے کے بعد ہی ہونا تھی۔ کیونکہ ڈنر کے بعد موسیقی کا پروگرام بھی تھا اور انکل فراز یورپ کے ٹور پر گئے ہوئے تھے۔ بیگم فراز جو ہر بزنس ٹور پر ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس بار محض عینا کی وجہ سے نہیں گئی تھیں۔

"عینا ابھی یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہی ہے وہ اکیلی نہیں رہ سکتی۔"

"اکیلی کہاں۔ اتنے سارے نوکر چاکر ہیں آخر سحر بھی تو ہمارے جانے کے بعد اکیلی ہوتی تھی۔"

انکل فراز انہیں ساتھ ہی لے جانا چاہتے تھے۔

"سحر کی اور بات تھی فراز وہ بہت بولڈ تھی یہ ایسی نہیں ہے۔"

"میں اماں کے پاس گاؤں چلی جاؤں گی۔" عینا خوش ہو گئی تھی۔

"آپ انکل کے ساتھ چلی جائیں۔"

لیکن بیگم فراز نہیں گئی تھیں۔ اب پتا نہیں وجہ عینا تھی یا کچھ اور۔ لیکن انہوں نے انکل فراز سے کہا تھا کہ وہ عینا کو گاؤں ہرگز بھیجنا نہیں چاہتیں مونا بھابھی نے سختی سے منع کیا ہے۔

پتا نہیں اماں نے راحت پھپھو کو کیوں اسے گاؤں واپس بھیجنے سے منع کیا تھا۔ کیا انس چوہدری کی وجہ سے یا پھر ظفر بھائی کی وجہ سے۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ پھپھو نے اسے گاؤں نہیں بھیجا تھا اور وہ بے حد اداس ہو گئی تھی۔ اماں سے ملنے کا خیال کتنا خوش کن تھا لیکن۔۔۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔

پھپھو جب بھی کہیں کسی پارٹی یا ڈنر میں جاتیں تو اسے بہت ساری تاکید کر کے جاتی تھیں۔ کہ وہ اندرونی گیٹ بند رکھے۔ گیٹ کھولنے سے پہلے انٹرکام پر پوچھ لیا کرے۔ نوکروں پر بھی زیادہ بھروسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا پتا کب کسی کی نیت بدل جائے۔ اگرچہ سب پرانے ہی ہیں۔ پھر بھی احتیاط اچھی ہوتی ہے۔

اور اب۔

اس نے پھر انیکسی کی طرف دیکھا جس کے شیشوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔

کیا خدا بخش چاچا کو بھی پتا نہیں چلا کہ انیکسی میں روشنی ہو رہی ہے۔ اللہ کرے خدا بخش چاچا کو پیچھے کسی کام سے جانا پڑے تو وہ دیکھ لے۔

لگتا ہے چور بڑے اطمینان سے گھر کا صفایا کر رہا ہے۔ اور کیا میں یونہی خاموشی سے دیکھتی رہوں گی۔

حمیدہ نے بتایا تھا کہ ارحم صاحب نہ ہوں تو انیکسی بند ہی رہتی ہے اور ان دو ماہ میں اس نے ارحم بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔ اور اس کے پوچھنے پر حمیدہ نے بتایا تھا کہ ارحم

صاحب تو سالوں بعد چکر لگاتے ہیں اور اب بھی دو سال تو ہونے والے ہیں انہیں آئے۔ بڑے صاحب سے ان کی بات ہوتی رہتی ہے۔ تو پھر ضرور یہ کوئی چور ہوگا۔ اسے یقین ہونے لگا۔

ارحم بھائی نے آنا ہوتا تو پھپھو ضرور ذکر کرتیں ان کے آنے کا اور پھر وہ یوں سیدھے انیکسی میں نہ جاتے اندر آتے۔ اوپر بھی تو ان کا کمرہ تھا نا۔ حمیدہ نے اسے بتایا تھا سیڑھیوں کے ساتھ والا پہلا بیڈ روم ارحم صاحب کا ہے۔

"مجھے خدا بخش چاچا کو بتانا چاہیے۔" اس نے سوچا اور ٹیرس سے ہٹ کر لاؤنج میں آئی۔

ٹیرس کا دروازہ بند کیا اور پھر لاؤنج سے نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی سیڑھیاں نیچے ٹی۔ وی لاؤنج میں آتی تھیں۔ وہ لاؤنج سے گزر کر سن روم میں آئی اور اندرونی گیٹ کو کھولنے کے لیے ہاتھ ناب پر رکھا اور ایک بار پھر سوچا رات کے گیارہ بجے کیا مجھے اندرونی گیٹ کھول کر باہر گیٹ تک جانا چاہیے۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ باہر ادھر ادھر درختوں کے پیچھے چور چھپے ہوں اور۔

اس نے ایک جھرجھری ۔۔۔ لے کر دروازہ ذرا سا کھولا اور گیٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے خدا بخش چاچا کی طرف دیکھا۔ وہ بیگم فراز کے آنے تک جاگتا رہتا تھے اور ان کے آنے کے بعد وہاں ہی پورچ میں ایک سائیڈ پر کھڑی چارپائی بچھا کر لیٹ جاتا ۔۔۔ اس وقت وہ کرسی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

"خدا بخش چاچا" اس نے وہاں سے ہی آواز دی خدا بخش نے مڑ کر دیکھا۔

"جی بی بی۔"

"وہ چاچا ادھر آئیں بات سنیں۔" خدا بخش اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چاچا کے آنے سے پہلے ہی وہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ خدا بخش سیڑھیاں چڑھ کر گیٹ کے پاس آیا۔

"وہ خدا بخش چاچا انیکسی کی لائٹ جل رہی ہے۔"

"ہاں۔ وہ ارحم صاحب آئے ہیں۔"

"کب؟" اس نے دروازہ کھول کر حیرت سے پوچھا۔

"بس کوئی دو گھنٹے پہلے آئے ہیں۔"

"لیکن ڈرائیور تو پھپھو کے ساتھ گیا ہوا ہے۔ انہیں لینے کون گیا تھا۔"

"کوئی نہیں جی وہ ہمیشہ خود ہی ایئرپورٹ سے ٹیکسی کر کے آجاتے ہیں۔" خدا بخش چاچا نے بتایا۔

"اچھا۔" وہ حیران سی دروازہ بند کرنے لگی تب ہی اس کی نظر پورچ کی طرف پڑی۔ پچھلے لان سے غالباً ارحم ہی آرہا تھا۔ وہ پورچ میں سے گزر کر گیٹ کی طرف جارہا تھا اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ اور سن روم کی ونڈو سے ذرا سا پردہ ہٹا کر جھانکا۔ ارحم گیٹ کے پاس کھڑا خدا بخش سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اسے اس کی پشت نظر آرہی تھی پھر وہ خدا بخش سے کچھ کہہ کر باہر چلا گیا۔ وہ یونہی کھڑکی سے پردہ ہٹائے شیشے سے باہر دیکھتی رہی اور اسے اماں کا خیال آگیا۔

اماں ضرور اسے یاد کر کے روتی ہوں گی۔ وہ اماں کو چھوڑ کر آنا نہیں چاہتی تھی۔ خواہ حالات کیسے بھی ہوتے لیکن اماں کی وہ التجا کرتی آنکھیں کپکپاتے لب جڑے ہاتھ۔

"میری بات مان لے عینا۔"

"لیکن اماں آپ یہاں اکیلی کیسے رہیں گی ان دنوں آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی اور اگر جو کبھی رات میں اچانک طبیعت خراب ہوگئی تو آپ کو کچھ ہوگیا تو۔"

"مجھے تمہارے یہاں رہنے سے کچھ ہوجائے گا عینا۔ تم چلی جاؤ گی اپنی پھپھو کے ساتھ تو میں ٹھیک ہوجاؤں گی۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو اگر بھرجائی نے زبردستی تیرا نکاح ظفر سے پڑھا دیا تو میں کیا کر سکوں گی تجھے اللہ کا واسطہ اپنی پھوپھی کے ساتھ چلی جا۔ میرا نہ سوچ۔ چار دن زندگی کے ہیں گزر جائیں گے لیکن تیرے ساتھ اگر کچھ غلط ہو گیا نا تو میں سکون سے مر بھی نہیں سکوں گی۔"

اور وہ دل پر پتھر رکھ کر یہاں چلی آئی تھی۔ پھپھو کے ساتھ۔ اس نے آتے سے مڑ کر اماں کی طرف

نہیں دیکھا تھا حالانکہ اسے پتا تھا کہ اماں کھلے دروازے میں کھڑی اسے دیکھ رہی ہوں گی لیکن شدید خواہش کے باوجود وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر سر جھکائے چلتی ہوئی پیپل تلے کھڑی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ پھپھو پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ اسے لگتا تھا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پتھر کی ہوجائے گی۔ پھر لاکھ اماں منتیں کرتیں وہ پھپھو کے ساتھ جا نہ پاتی۔

اسے لگا جیسے اس کے رخسار گیلے ہو رہے ہوں۔ اس نے ہاتھوں کی پشت سے گیلے رخساروں کو صاف کیا اور کھڑکی کے شیشے سے ناک ٹکائے باہر دیکھا۔ خدا بخش چھوٹا گیٹ کھول رہا تھا اور پھر گیٹ سے ارحم اندر داخل ہوا اتنی دور سے وہ اس کی شکل واضح طور پر دیکھ نہیں پا رہی تھی ہاں اس کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جس میں غالباً "ڈبل روٹی اور دودھ کا پیکٹ تھا۔ وہ ذرا قریب آیا تو اس نے دیکھا۔

وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی اور پردہ آگے کر دیا۔ وہ اتنی دور سے آیا ہے لمبا سفر کر کے۔ اس نے کھانا بھی کھانا ہوگا اور چائے بھی پینی ہوگی۔ اور پھپھو گھر نہیں ہیں۔

میں کیا کروں۔ کیا خدا بخش چاچا سے کہوں حمیدہ کو جگا دے وہ ارحم صاحب کو کھانا کھلا دے لیکن نہیں حمیدہ بے چاری بھی تھکی ہاری ۔ ہوگی پھر۔

وہ سن روم میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

ارحم راحت پھپھو کا سوتیلا بیٹا تھا۔ فراز صاحب نے پہلی بیوی کی وفات کے بعد ان سے شادی کی تھی۔ اماں نے ایک بار اسے بتایا تھا۔ راحت تمہارے ابا کی بہت لاڈلی تھی۔ اگرچہ عمر میں اس سے تین چار سال ہی چھوٹی ہوگی لیکن تمہارے ابا بچوں کی طرح ہی اس کے لاڈ اٹھاتے تھے۔ اس نے جتنا چاہا اسے پڑھایا پھر اس نے جاب کرنا چاہی تو جاب کی بھی اجازت دے دی۔ حالانکہ تمہارے سوتیلے تایا نے بہت باتیں کیں۔ لیکن تمہارے ابا پروا نہیں کرتے تھے کسی کی اور پھر فراز بھائی سے شادی بھی انہوں نے راحت کی پسند پر کی۔ راحت فراز بھائی کے آفس میں ہی کام کرتی

تھی۔ ارحم کی ممی جب فوت ہوئیں تو وہ چھ سات سال کا تھا اور جب فراز بھائی نے تمہاری پھپھو سے شادی کی تو وہ پندرہ چودہ سال کا ہوگا۔

"پتا نہیں پھپھو ارحم کی اچھی ماں ثابت ہوئی تھیں یا۔۔۔" اس نے سوچا اور پھر ہولے سے سر جھٹکا۔

"پھپھو اتنی اچھی ہیں۔ اتنا خیال رکھنے والی۔ وہ بھلا اچھی ماں کیوں ثابت نہیں ہوئی ہوں گی۔" اس نے سامنے کلاک کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ حمیدہ سونے جا چکی تھی۔ اس نے فریج سے سالن نکال کر مائیکرو ویو میں گرم کیا۔ پھلکے تو ہاٹ پاٹ میں ہی پڑے تھے۔ کھانا ٹرے میں لگا کر اس نے دروازہ کھول کر خدا بخش کو آواز دی۔

"خدا بخش چاچا یہ کھانا ارحم صاحب کو دے آئیے۔ رفیق اور حمیدہ تو سو گئے ہیں۔" خدا بخش نے حیرت سے اسے دیکھا اور ٹرے لے لی۔

"میں نے چائے کا پانی رکھ دیا ہے تھوڑی دیر بعد چائے بھی لے جائیے گا۔" اور چائے کا پانی رکھ کر وہ لاؤنج میں آبیٹھی تھی۔ ارحم کو اس نے صرف دو بار دیکھا تھا۔ ایک بار جب وہ اماں کے ساتھ سحر سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ تب ارحم نے اسے خوب گھمایا تھا۔ اور دوسری بار جب وہ سحر کو گاؤں لے کر آیا تھا اماں سے ملانے۔ وہ وہاں رکا نہیں تھا بس سحر کو چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن ارحم اسے اچھا لگا تھا۔ ہاں اس نے سحر سے اس کا بہت ذکر سنا تھا۔ وہ جب بھی گھر آتی اماں سے اور اس سے ملنے تو اس کے پاس سوائے ارحم کے متعلق بات کرنے کے اور کوئی بات ہی نہ ہوتی۔

جب ابا کا انتقال ہوا تھا تو سحر گیارہ سال کی اور وہ چھ سال کی تھی۔ ابا کے انتقال کے بعد تایا اور ان کے بیٹوں نے زمین پر قبضہ کر کے انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ ابا کی چھوٹی موٹی زمینداری تھی۔ گھر میں خوشحالی تھی۔ وہ اور سحر قریبی قصبے کے انگلش میڈیم اسکول میں پڑھ رہی تھیں۔ لیکن تایا کے گھر سے نکال دینے کے بعد پڑھائی چھوٹ گئی اماں انہیں لے کر میکے آگئی تھیں۔ نانا ابا نے تینوں کو گلے سے لگا لیا تھا۔ راحت

پھپھو کو پتا چلا تو وہ آگئیں۔ تایا سے جھگڑا کیا۔ لیکن بے کار ابا کی زندگی میں بھی تایا کی راحت پھپھو سے نہیں بنتی تھی۔ وہ انہیں سوتیلا ہی سمجھتے تھے حالانکہ راحت پھپھو اور ابا نے انہیں ہمیشہ بڑے بھائی کا مان دیا تھا۔ تایا کا کہنا تھا زمین ان کی والدہ کی تھی والد کی نہیں اس لیے ابا کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ تب راحت پھپھو نے اماں سے آکر کہا کہ وہ سحر اور عینا کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ وہاں ان کے پاس رہ کر وہ اچھی تعلیم حاصل کر سکیں گی جبکہ یہاں ایسا ممکن نہیں ہے۔ دل پر پتھر رکھ کر اماں انہیں جدا کرنے کو تیار ہو گئی تھیں۔ لیکن نانا نہیں مانے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنی نواسیوں کو کھلا سکتے ہیں۔ تب راحت پھپھو چپ کر گئی تھیں۔ لیکن وہ کبھی کبھی سال چھ مہینے بعد ملنے آتی تھیں تو ان کے لیے ڈھیروں کپڑے اور کھلونے لے کر آتی تھیں اماں نے انہیں گاؤں کے اسکول میں ہی داخل کروا دیا تھا۔

نانا جب تک زندہ رہے ماموں ممانی کا سلوک اچھا رہا، لیکن دو سال بعد نانا کا انتقال ہو گیا اور مامی کا سلوک بہت برا ہو گیا۔ اماں اور سحر سارا سارا دن کام کرتیں پھر بھی مامی کا موڈ خراب رہتا تھا۔ راحت پھپھو ملنے آئیں تو سحر کو ملگجے کپڑوں میں ڈھیروں کپڑے دھوتے دیکھ کر تڑپ اٹھیں اس روز اماں کی طبیعت خراب تھی انہیں بخار تھا اس لیے سحر اکیلے کپڑے دھو رہی تھی اور وہ برتن دھو رہی تھی۔

"یہ کیا ہے بھابھی۔ عینا کی عمر ہے کوئی برتن دھونے والی۔"

"مجھے بخار تھا" اماں شرمندہ ہو گئیں۔ تب اس روز راحت پھپھو اور اماں میں چپکے چپکے جانے کیا بات ہوئی تھی کہ اماں نے سحر اور اس سے کہا کہ وہ پھپھو کے ساتھ چلی جائیں لیکن وہ مچل اٹھی تھی۔

"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔" وہ اماں سے لپٹ گئی تھی۔ تب اس کی عمر نو سال اور سحر کی عمر چودہ سال تھی۔ رو رو کر اس نے برا حال کر لیا تھا مامی اپنے بچوں کے ساتھ گئی ہوئی تھیں۔ آئیں تو راحت پھپھو سحر کو ساتھ لے کر جانے کے لیے تیار تھیں مامی کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"یہ سحر کہاں جا رہی ہے اور کیوں؟"

انہوں نے اماں سے پوچھا تھا اور جواب پھپھو نے دیا تھا۔

"میرے ساتھ۔۔۔ میرا خون ہے میرے بھائی کی اولاد ہے۔ میں اسے رلتے نہیں دیکھ سکتی۔"

اور ان کے جانے کے بعد بھی مامی دیر تک بولتی رہی تھیں اور اماں سر جھکائے آنسو بہاتی رہی تھیں پتا نہیں وہ مامی کے اس طرح بولنے پر آنسو بہا رہی تھیں یا سحر کی جدائی پر لیکن اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ شکر ہے وہ پھپھو کے ساتھ نہیں گئی ورنہ اماں تو بالکل اکیلی ہو جاتیں اور تب ہی اس نے عہد کیا تھا کہ وہ اماں کو کبھی اکیلا چھوڑ کر نہیں جائے گی، لیکن وہ اماں کو اکیلا چھوڑ کر آگئی تھی۔

اس نے گہری سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ چائے کا پانی ابل رہا تھا۔ چائے دم کر کے اس نے خدا بخش کو آواز دے کر چائے لے جانے کو کہا۔ خدا بخش نے چائے لے کر جاتا یا۔

"ارحم صاحب آپ کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔"

"اچھا۔" اسے حیرت ہوئی۔

بھلا اس میں شکریہ ادا کرنے والی کون سی بات ہے ان کا گھر ہے پھپھو ہوتیں تو وہ ہی کھانا بھجواتیں۔

وہ کچن کی لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں آگئی تھی اور ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ساڑھے بارہ ہو رہے تھے اس نے سرہانے رکھی کتاب اٹھائی اور پھر پڑھتے پڑھتے ہی سو گئی۔

صبح ناشتے پر اسے ارحم کا خیال آیا تھا۔ ڈائننگ ہال میں بڑی سی ٹیبل کے گرد صرف وہ اور پھپھو بیٹھی تھیں۔

"ناشتا کرو بیٹا۔ کیا سوچ رہی ہو۔" ہمیشہ کی طرح انہوں نے بے حد نرمی سے کہا تھا۔

"جی پھپھو" اس نے چونک کر سلائس اٹھایا اور جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ارحم بھائی نہیں آئیں گے ناشتا کرنے۔۔۔"

"ارحم۔" بیگم راحت فراز کا سلائس پر مکھن لگاتا ہاتھ رک گیا اور چھری انہوں نے پلیٹ میں رکھ دی۔

"جی پھپھو خدا بخش چاچا نے بتایا تھا رات وہ آئے ہیں۔" گھبرا کر اس نے ساری تفصیل بتا دی۔ پوری بات سن کر انہوں نے اطمینان سے پھر مکھن لگانے والی چھری اٹھائی اور سلائس پر مکھن لگانے لگیں۔ پھر انہوں نے عینا کی طرف دیکھا جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

"وہ اندر نہیں آتا ہے۔ ہاں فراز ہو گھر پر تو کبھی کبھار آجاتا ہے اس کی اپنی زندگی ہے کب آتا ہے کب چلا جاتا ہے مجھے علم نہیں ہے۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

"تم ناشتا کرو۔ یہ حمیدہ نے آج تمہارے لیے پراٹھا بنایا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تمہیں بریڈ پسند نہیں ہے۔"

"جی۔" اس نے سلائس رکھ کر ہاٹ پاٹ سے پراٹھا نکال کر پلیٹ میں رکھا اور تھوڑا سا آملیٹ لے لیا اور سوچا۔

"پتا نہیں ارحم بھائی کیوں اندر نہیں آتے۔ کیا پھپھو ان کے لیے روایتی سوتیلی ماں کی طرح ہیں، لیکن جب سحر یہاں رہتی تھی تب تو وہ اور ارحم بھائی تو ادھر ہی ہوتے تھے اور سحر کی کتنی دوستی تھی ارحم بھائی سے اور سحر نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ پھپھو کا سلوک ارحم بھائی سے اچھا نہیں ہے پھر اب۔۔۔"

چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ اسے تو پورا یقین تھا کہ سحر آپی کی شادی ارحم بھائی سے ہی ہو گی اور اسے بھی ارحم بھائی بہت اچھے لگتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ سحر آپی ارحم بھائی سے بہت شدید محبت کرتی ہیں۔ ان دنوں اسے کچھ ایسا ہی لگا تھا لیکن پھر سحر آپی کی شادی ارحم کے بجائے خرم شہزاد سے ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا تھا شاید انکل فراز نہیں مانے ہوں گے وہ اتنے امیر اور سحر ایک یتیم لڑکی ان کے گھر میں ہی پلنے والی، جب اماں نے اسے بتایا تھا کہ راحت کا فون آیا ہے انہوں نے سحر کا رشتہ طے کر دیا ہے خرم شہزاد سے، بہت تعریف کر رہی تھیں وہ خرم کی تو وہ حیرت سے اماں کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ آپی تو مر جائیں گی۔۔۔ وہ تو بقول ان کے ارحم بھائی سے محبت نہیں عشق کرتی تھیں۔

اماں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میرا تو خیال تھا شاید ارحم۔۔۔" وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر چپ ہو گئی تھیں اور ان کے جانے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"یا اللہ سحر آپی کیا کریں گی۔ کیسے جئیں گی۔" وہ کئی دن پریشان رہی تھی اور جب سحر کچھ دنوں بعد راحت بیگم کے ساتھ گاؤں آئی تھی تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی دائیں ہاتھ کی انگلی میں ڈائمنڈ رنگ پہنے اور بائیں ہاتھ میں ڈائمنڈ جڑا کنگن پہنے وہ بے حد مطمئن بے حد خوش لگ رہی تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو گئی تھی۔ خوب صورت تو خیر وہ ہمیشہ سے تھی۔ راحت پھپھو کی طرح۔ بلکہ وہ ساری کی ساری راحت پھپھو پر گئی تھی۔ ویسی ہی سرخ و سپید رنگت، گلابی ہونٹ بڑی بڑی لانبی پلکوں والی غزالی آنکھیں مناسب قد۔۔۔ جبکہ سحر کے برعکس اس کا رنگ گندمی تھا اور وہ بے حد دبلی پتلی سی تھی۔ نقوش اٹریکٹو تھے خاص طور پر آنکھیں بے حد پیاری تھیں، لیکن سحر تو سحر تھی نانا ابا نے اس کا نام نجم السحر رکھا تھا۔ صبح کا ستارہ اور اماں نے اس کا نام عینا رکھا تھا۔ اماں کہتی تھیں جب وہ پیدا ہوئی تھی تو اتنی کمزور تھی کہ اس کے چہرے پر صرف آنکھیں ہی نظر آتی تھیں۔

"اے کیا دیکھ رہی ہو کیا نظر لگاؤ گی؟" سحر نے اس کے سامنے ہاتھ ہلائے تھے تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ سحر بہت افسردہ اور دکھی ہو گی بلکہ اس کا برا حال ہو گا۔

"سحر آپی آپ خوش ہیں۔"

"ہاں۔"

"تو خوش ہونے والی کون سی بات ہے خرم بہت

اچھا ہے۔" وہ بائیں ہاتھ سے اپنی رنگ گھمارہی تھی۔

"او۔۔۔ وہ۔۔۔ ارحم بھائی۔" وہ ہکلائی تھی۔

"آپ تو ارحم بھائی سے محبت کرتی تھیں نا۔"

"ہاں ارحم اچھا ہے۔ اب بھی اس سے محبت کرتی ہوں ایک دوست کی طرح لیکن جہاں تک شادی کی بات ہے تو شادی کا فیصلہ تو پھپھو نے کرنا تھا اور بزرگ جو بھی کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔ اگر پھپھو ارحم سے شادی کر دیتیں تب بھی ٹھیک تھا اور اب خرم کو انہوں نے میرے لیے چنا ہے تو یقیناً" بہتر ہی سوچا ہوگا۔" وہ آرام سے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ لیکن سحر کے اتنی تفصیل سے بات کرنے کے باوجود وہ اپ سیٹ سی تھی۔

"اور ارحم بھائی وہ تو آپ سے بہت محبت کرتے تھے نا۔۔۔ وہ تو۔۔۔"

"چھوڑو یار۔" سحر نے اسے ٹوک دیا تھا۔

"تم بتاؤ تم کب آؤ گی میری شادی پر۔ تین چار تو فنکشن ہیں۔ کپڑوں کی تم فکر مت کرنا۔ چاروں فنکشنز کے لیے کپڑے پھپھو تمہارے لیے وہاں سے ہی بنوا دیں گی۔" اس نے صرف سرہلا دیا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ سحر کی طرح خوش نہیں ہو سکی تھی۔ اسے رہ رہ کر ارحم کا خیال آرہا تھا۔

سحر تو خوش ہے کیا ارحم بھائی بھی خوش ہوں گے۔ وہ چودہ سال کی تھی تب اور سحر انیس سال کی۔ وہ بی اے کا امتحان دے چکی تھی اور پھپھو نے اس کی شادی طے کر دی تھی۔ دو ماہ بعد رخصتی تھی اور وہ اماں سے اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے آئی تھیں اماں کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا انہوں نے تو سارے اختیار انہیں ہی سونپ دیے تھے۔ پھر بھی انہوں نے ارحم کا پوچھا ضرور تھا۔

"ارحم کے پاپا کا خیال نہیں تھا سحر کے لیے۔" راحت پھپھو نے بتایا تھا۔

"اور میں کیوں مجبور کرتی ہماری سحر کے لیے کوئی رشتوں کی کمی تو نہیں ہے نا۔ کئی لوگ خواہش مند تھے مجھے خرم اچھا لگا اور دیکھو تم لوگ دس بارہ دن پہلے ہی آجانا۔ چند دن بھابھی کی چاکری نہ کی تو کچھ نہیں ہونے والا۔"

اماں نے سرہلا دیا تھا۔

راحت بیگم اور سحر شام کو واپس چلی گئی تھیں۔ اور ان کے جانے کے بعد اس روز مامی بہت ہی لڑی تھیں اماں سے بلاوجہ ہی۔ اماں پوری رات روتی رہی تھیں اور وہ اماں کے بیڈ پر بیٹھی خود بھی باربار رو پڑتی تھی۔

"اماں چلیں ہم بھی پھپھو کے گھر چل کر رہتے ہیں۔" اور انہوں نے آنسو پونچھ کر اسے دیکھا تھا۔

"ہاں تم چلی جاؤ تمہاری پھپھو ہیں۔"

"اور آپ۔۔۔ آپ کی بھی تو نند ہیں۔"

"ہاں ہیں۔۔۔ میں نہیں جا سکتی۔ میرا جانا مناسب نہیں ہے عینا۔۔۔ فراز بھائی غیر ہی تو ہیں نا کیا کہیں گے وہ۔۔۔ میری غیرت گوارہ نہیں کرتی۔ یہاں بھائی کا گھر ہے جیسا بھی سلوک کریں کوئی طعنہ تو نہیں ہے نا کسی کا۔۔۔"

"میں آپ کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی اماں۔" وہ اٹھ کر اپنی چارپائی پر آکر لیٹ گئی تھی۔

اور پھر یوں ہوا تھا کہ راحت پھپھو کے باربار بلانے کے باوجود وہ اور اماں عین بارات والے دن ہی پہنچی تھیں کیونکہ پہلے تو اماں بیمار ہو گئیں اور پھر مامی بستر پر پڑ گئیں۔ ماموں نے کہا۔

"ثریا بیمار ہے اور تم چلی جاؤ گی۔" اماں چپ کر گئی تھیں اور وہ کلس کر رہ گئی تھی۔ مہندی مایوں وہ کسی فنکشنز میں شریک نہ ہو سکی تھی اور بارات کے دن وہ ماموں اور مامی کے ساتھ ہی لاہور آئے تھے ایک دن پہلے تو مامی بیڈ پر لیٹی ہائے ہائے کر رہی تھیں اور اب سارا راستہ بس میں بیٹھی چہکتی رہی تھیں اور مسلسل کچھ نہ کچھ کھاتی رہی تھیں پھپھو کا شاندار گھر دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔

"راحت اتنے شاندار گھر میں رہتی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا بالکل۔"

اور پھر شادی ہال میں وہ جس طرح اسٹیج پر دلہن بنی بیٹھی سحر کو دیکھ رہی تھیں اسے لگتا تھا جیسے ان کی آنکھیں پھٹ ہی جائیں گی۔

اس نے ارحم کو دیکھنے کی کوشش کی تھی اور جب صبر نہ ہوا تو سحر کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"ارحم بھائی کہاں ہیں۔۔۔ کہیں نظر نہیں آرہے۔" سحر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ بس گھور کر رہ گئی تھی اور ارحم بھائی اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے۔ اس سے اگلے دن ولیمے میں بھی نہیں۔

"عینا یہ اتنا کم ناشتا کیا ہے تم نے۔ جوس بھی یوں ہی پڑا ہے۔"

"بس پھپھو جی نہیں چاہ رہا۔" اس نے چونک کر ٹشو نکال کر ہاتھ صاف کیے تھے۔

"یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہونے والے ہیں۔ میرا خیال ہے تم ایڈمیشن لے لو۔ کیا سبجیکٹ تھے بی اے میں تمہارے۔" تین سال پہلے اس نے پرائیویٹ بی اے کیا تھا۔

"تین سال ہو گئے مجھے بی اے کیے ہوئے۔ پتا نہیں ایڈمیشن ملے گا بھی یا نہیں۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو بھابھی نے بتایا تھا تمہارے نمبر اچھے تھے۔"

"جی اے گریڈ تھا۔" اس نے سر جھکائے جھکائے بتایا۔

"اور سبجیکٹ تھے اردو، اسلامیات، ہسٹری حالانکہ میں انگلش لٹریچر اور اکنامکس لینا چاہتی تھی، لیکن پرائیویٹ بغیر کسی ہیلپ کے مشکل تھا۔"

"ٹھیک ہے اردو یا ہسٹری میں ایم اے کر لو۔ ماسٹر ڈگری تو ہو گی نا تم اپنے پیپر آج مجھے دے دینا۔"

"جی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ حمیدہ آکر ٹیبل سمیٹنے لگی تو وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ نو دس بجے تک بیگم راحت آفس چلی جاتی تھیں انکل فراز کی عدم موجودگی میں سارا کام وہی دیکھتی تھیں اور ان کی موجودگی میں بھی ان کے ساتھ اکثر چلی جاتی تھیں۔ کمرے میں آکر اس نے ٹی وی لگا لیا پروگرام اچھا تھا وہ دھیان سے دیکھنے لگی۔ پروگرام ختم ہوا تو وہ اٹھ کر نیچے لاؤنج میں آئی۔ حمیدہ کچن صاف کر رہی تھی۔ اس نے کچن میں آکر اسے کچھ ہدایات دیں اور باہر آئی۔

بیگم راحت آفس جا چکی تھیں۔ انہوں نے اس سے تو کچھ نہیں کہا تھا، لیکن وہ خود ہی اپنی نگرانی میں صفائی وغیرہ کروانے لگی تھی۔ کبھی کبھار حمیدہ کے ساتھ مل کر کوکنگ بھی کر لیتی تھی۔

کچھ دیر وہ لاؤنج میں بیٹھی رہی۔ یہاں کرنے کو کوئی کام ہی نہیں تھا جبکہ وہاں گاؤں میں اسے فرصت ہی نہیں ملتی تھی اور جب کبھی ذرا فارغ ہوتی تو مامی کوئی نہ کوئی کام نکال لیتی تھیں۔

ان کا موڈ ہمیشہ خراب رہتا تھا، لیکن سحر کی شادی سے واپس آکر تو اور بھی خراب ہو گیا تھا۔ وہ اکثر بڑبڑاتی رہتی تھیں۔ ایک راحت ہے جسے بھتیجی کا اتنا خیال ہے اتنے امیر کبیر لوگوں میں اس کی شادی کروائی ایک یہ موٹا بیگم ہیں۔ بھائی کا کھاتی پہنتی ہیں۔ تین تین بھتیجیاں جوان ہیں اتنا نہیں کر سکتیں کہ نند سے کہہ کر انہیں بھی کسی اچھے گھر میں پار لگوا دیں۔

"عینا بی بی دوپہر میں کیا پکے گا۔"

"پھپھو نے نہیں بتایا۔" اس نے چونک کر حمیدہ سے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے کہا تھا آپ سے پوچھ لوں۔"

"اچھا۔ چکن پلاؤ اور کڑاہی بنا لو اور میٹھے میں بھی کچھ بنا لینا۔۔۔ ساتھ میں بروسٹ بنا لینا۔" اس نے سوچا ارحم آیا ہوا ہے تو کچھ اہتمام کروا لے۔ وہ اندر نہیں آتا پھپھو نے بتایا تھا لیکن اس کا کھانا تو اندر سے ہی جاتا ہوگا نا۔

"کباب تو فریزر میں ہوں گے نا وہ بھی تل لینا اور۔۔۔" وہ سوچنے لگی۔ "جو تمہارا دل چاہے بنا لینا۔ وہ ارحم بھائی آئے ہیں نا رات کو خدا بخش چاچا بتا رہے تھے دو سال بعد آئے ہیں۔"

حمیدہ نے بھی ایک حیرت بھری نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر سرہلا کر کچن میں واپس چلی گئی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر اٹھی اور لاؤنج کا پچھلے لان کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ کچھ دیر وہ یونہی لان میں کھڑی رہی اور پھر وہ انیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ انیکسی کا دروازہ لاک نہیں تھا اس نے دروازے کو دھکیلا تو وہ

کھلتا چلا گیا۔ چھوٹا سا صحن عبور کرکے وہ برآمدے میں آئی۔ اور ایک دروازے کو جو تھوڑا سا کھلا تھا ذرا سا دھکیلا اور اندر جھانکا۔ غالباً" یہ بیڈ روم تھا۔ اندر کمرے میں قدم رکھتے ہوئے وہ تھوڑا سا جھجکی تھی، لیکن پھر اس نے اندر قدم رکھ دیا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں کچھ بے ترتیبی سی تھی بیڈ کی چادر تڑی مڑی تھی اور بیڈ پر کچھ کتابیں اور ایک بیگ پڑا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک اٹیچی کیس پڑا تھا۔ شیلف پر ادھر ادھر ہر جگہ دھول نظر آرہی تھی۔ زیادہ نہیں لیکن تھی۔

"پتا نہیں ارحم بھائی کہاں ہیں۔" اس نے سوچا تب ہی واش روم کا دروازہ کھلا اور تولیے سے بال خشک کرتے ارحم نے باہر قدم رکھا اور پھر اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کی سوالیہ نظریں عینا کی طرف اٹھی تھیں۔

"السلام علیکم ارحم بھائی۔" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے فوراً" سلام کیا تھا۔ اور بے حد اشتیاق سے اسے دیکھا یہ اس ارحم سے بہت مختلف لگ رہا تھا جسے اس نے سحر کے ساتھ گاؤں میں دیکھا تھا۔ اس کی رنگت سانولی ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں عجیب سا حزن تھا اور چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ وہ ارحم تو بہت شوخ و شنگ تھا اور اس کی آنکھیں تو جیسے ہر دم ہنستی رہتی تھیں۔

"آپ۔" ارحم کے لبوں سے نکلا۔

"سوری ارحم بھائی میں بغیر اجازت کمرے میں آگئی۔ آپ کمرے میں نہیں تھے۔ میں پوچھنے آئی تھی ناشتے میں آپ کیا لیں گے۔"

"اوہ" اس نے ہونٹ سکیڑے۔

"تو آپ نے رات کھانا بھجوایا تھا۔ اچھی لڑکی آپ کی اس مہمانی کا شکریہ، لیکن میں اس طرح کی عنایات کا عادی نہیں ہوں پلیز آئندہ تکلیف مت کیجیے گا۔" عینا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بالکل اجنبیت تھی۔ شاید اس نے اسے پہچانا نہیں تھا۔ بارہ سال بھی تو ہوگئے تھے نا۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔ تیرہ چودہ سال کی دبلی پتلی سانولی اور کمزور سی عینا۔ بارہ سال بعد اب بہت اٹریکٹو ہوگئی تھی۔ سانچے میں ڈھلا جسم لمبے گھنے بال کمر کو چھوتے اور رنگت بھی گندمی گندمی سی۔

"میں عینا ہوں ارحم بھائی آپ نے پہچانا نہیں۔"

"عینا۔" لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک ابھری تھی، لیکن دوسرے ہی لمحے معدوم ہوگئی تھی۔ ہونٹ بھینچ گئے تھے اور اس نے یک دم رخ موڑ لیا تھا۔

"عینا بی بی پلیز آپ جائیں۔ میں کسی عینا کو نہیں جانتا۔ اور آئندہ کسی میزبانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا کھانا ناشتا سب خود بنا تا ہوں۔"

وہ حیران سی کھڑی تھی۔ اسے ارحم کے کہے لفظوں پر یقین نہیں آرہا تھا یا اسے ارحم سے اس رویے اور ان الفاظ کی امید نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا ارحم اسے دیکھ کر اس سے مل کر خوش ہوگا۔ اسے وہ دن یاد آگئے تھے جب ارحم گاؤں گیا تھا اور جب وہ یہاں آئی تھی اماں کے ساتھ۔

"ارحم بھائی۔" اس نے بے حد آہستگی سے کہا تھا، لیکن ارحم نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"سوری میرا آپ سے ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے جو آپ یہاں اس رشتے کے حوالے سے کھڑی ہیں۔ پلیز جائیے۔"

اس کے سخت لہجے نے عینا کی پلکیں نم کردیں۔ وہ یک دم تیزی سے پلٹی اور کمرے کے وسط میں پڑے اٹیچی کیس سے ٹکرا گئی۔ چوٹ زور سے لگی تھی لبوں سے اف نکل گیا وہ جھک کر پاؤں دیکھ رہی تھی جب ارحم نے مڑ کر اسے دیکھا اور بے اختیار اس کی طرف بڑھا۔ ایک لمحہ کو اس کی نظریں پشت پر بکھرے اس کے بالوں پر پڑی تھیں وہ ٹھٹک کر رک گیا، لیکن پھر سر جھٹک کر وہ آگے بڑھا تھا۔

"سوری رات بہت تھکا ہوا تھا اس لیے سامان یونہی پھینک دیا تھا۔"

وہ جھک کر اٹیچی کیس اٹھانے لگا تو اس کی نظر عینا پر پڑی تھی جس کے رخساروں پر آنسو لڑھک رہے تھے۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے اور پھر بنا کچھ کہے اٹیچی کیس اٹھا لیا۔ عینا تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

پچھلے لان سے ہوتی ہوئی وہ لاؤنج میں آئی اور پھر تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ آنسو اب بھی اس کے رخساروں پر بہتے جارہے تھے۔ ارحم بھائی ایسے نہیں تھے وہ کبھی بھی ایسے نہیں تھے پھر۔

اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے آنسو پونچھے اور گہری سوچ میں کھو گئی۔ جب وہ پہلی بار اماں کے ساتھ راحت پھپھو کے گھر آئی تھی تو سحر کو یہاں آئے چھ ماہ ہو چکے تھے اور اماں اس کے لیے بے حد اداس تھیں۔ وہ ان کی پہلوٹھی کی اولاد تھی اور اماں ابا نے اس کے بہت لاڈ اٹھائے تھے۔ لاڈلی تو وہ بھی تھی۔ اماں ابا نے کبھی دونوں میں فرق نہیں کیا تھا، لیکن وہ اماں کے پاس تھی اور سحر دور تھی۔ اس نے سحر کے جانے کے بعد کئی بار اماں کو چپکے چپکے روتے دیکھا تھا اور اماں سے کہا تھا۔

"اماں چلیں سحر آپی کو لے آتے ہیں۔" لیکن اماں نفی میں سر ہلا دیتیں۔ اور تب پھپھو کا فون آیا تھا ماں گھر پر نہ تھیں اور اماں کچن میں تھیں۔

"پھپھو۔" اس نے ان کی آواز پہچانتے ہی کہا تھا۔

"اماں بہت روتی ہیں سحر آپی کو یاد کرکے۔ آپ انہیں لے کر آئیں نا ملانے۔"

"لیکن جانو اس کے تو پیپر ہو رہے ہیں۔ وہ کیسے آسکتی ہے۔ اچھا چلو ٹھیک ہے میں کل گاڑی بھجوا دیتی ہوں تم اور بھابھی جان آجاؤ۔" وہ حیران رہ گئی تھی۔

"عینا بیٹا اماں کہاں ہیں تمہاری انہیں فون دو نا۔"

"اماں جی۔ اماں جی۔" اس نے وہیں سے آواز دی تھی۔

"پھپھو کا فون ہے۔" اور پھر پھپھو نے پتا نہیں کیا کہا تھا اماں سے کہ وہ تیار ہوگئی تھیں لاہور جانے کو۔ ماں کا موڈ خراب ہوگیا تھا۔

"سحر کے لیے دل اداس ہو رہا ہے۔ مل کر آجاؤں گی۔" اماں کے اندر ابا کے بعد کتنی عاجزی اور انکساری آگئی تھی۔ وہ ماں سے ہمیشہ یوں ہی عاجزی سے بات کرتی تھیں۔ ڈرائیور انہیں لینے آگیا تھا۔ اور پھر اس نے پہلی بار اپنے ہوش میں پھپھو کا گھر دیکھا تھا۔ اتنا شاندار اتنا بڑا۔ اور اس گھر میں سحر آپی رہتی ہیں اور پھر سحر آپی کا کمرہ دیکھ کر تو وہ اور بھی حیران رہ گئی تھی۔ خوب صورت سا بیڈ اور دیواروں کے ہم رنگ پردے۔ خوب صورت بیڈ کور، وہ جوتے اتار کر کارپٹ پر چلتی رہی اسے بہت مزا آرہا تھا۔ اماں نے اسے بتایا تھا کہ وہ چھوٹی سی تھی۔ ان کی گود میں دو سال کی تھی جب وہ سب صائم کے عقیقے پر آئے تھے۔ صائم راحت پھپھو کا بیٹا تھا اس سے دو سال چھوٹا۔ صائم کے علاوہ پھپھو کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔

"صائم کہاں ہے؟" اس نے سحر سے پوچھا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہوگا۔" سحر نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔ وہ پڑھ رہی تھی۔

"کہاں ہے اس کا کمرہ؟"

"پھپھو کے بیڈ روم کے ساتھ والا۔"

سحر جواب دے کر پھر کتاب میں گم ہوگئی تھی اور اسے صائم کو دیکھنے کا بہت اشتیاق ہو رہا تھا۔ اماں نے بتایا تھا صائم بالکل پھپھو کی طرح ہے بہت خوب صورت اور کیوٹ سا۔ اور وہ سحر کے کمرے سے نکل کر صائم کے کمرے میں آئی تھی۔ صائم کا کمرہ بھی بہت شاندار تھا اور وہ ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہا تھا۔

"صائم" اس نے آہستہ سے آواز دی تھی۔

"Hay who are you"

"عینا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تمہاری کزن۔"

"اچھا۔" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سحر آپی کی بہن۔" اس نے مزید تعارف کروایا۔

"اوکے۔" وہ پھر کارٹون دیکھنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی تھی اور پھر پھپھو اور اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس ساڑھے سات سالہ لڑکے سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بے حد مرعوب ہوگئی تھی جو فرفر انگریزی بول رہا تھا اور جو بہت پیارا تھا، لیکن اس ساڑھے سات سالہ لڑکے نے اسے بالکل ہی لفٹ نہیں کروائی تھی۔ وہ بے حد مصروف رہتا تھا۔ لیکن ارحم نے ایسا نہیں کیا تھا ارحم سے سحر نے تعارف کروایا تھا۔

"ارحم یہ عینا ہے میری چھوٹی بہن۔"

"ارے یہ تو بہت کیوٹ ہے۔"

ارحم نے جھک کر دائیں ہاتھ کی انگلی سے اس کا رخسار چھوا تھا۔ ارحم دبلا پتلا اور کافی لمبا سا تھا۔ اس کا رنگ سانولا تھا، لیکن وہ ایک پرکشش لڑکا تھا خوب صورت آنکھوں والا اور وہ باتیں بھی بہت خوب صورت کرتا تھا۔ وہ تین دن وہاں رہے تھے اور ان تین دنوں میں ارحم نے اسے بہت ہنسایا تھا اور خوب گھمایا بھی۔ ڈھیروں چاکلیٹ اور کئی طرح کے کھلونے خرید کر دیے تھے اور گھر آکر بھی وہ کتنے ہی دن تک ارحم کو یاد کرتی رہی تھی اور جب ارحم گاؤں آیا تھا تب بھی اس کے لیے ڈھیروں چاکلیٹس ٹافیاں اور الم غلم لے کر آیا تھا۔ ان دنوں وہ یو ای ٹی میں پڑھ رہا تھا اور اس کا فائنل ایر تھا۔

"مما اس سے پہلے مجھے کبھی گاؤں لے کر نہیں آئیں۔"

اس کی انگلی پکڑے گاؤں کی اونچی نیچی گلیوں میں گھومتے ہوئے اسے ارحم نے بتایا تھا اور اسے ابھی تک یاد تھا۔ اس نے پوچھا تھا۔

"کیوں؟"

"مجھے کبھی کسی نے کہا ہی نہیں گاؤں آنے کا۔"

"آپ شرارتیں کرتے ہوں گے نا۔ اماں کہتی ہیں پھپھو کو شرارتی بچے پسند نہیں ہیں۔"

"اچھا کیا تم شرارتی ہو سوئیٹ گرل۔"

"تھوڑی تھوڑی سی۔"

"میں جب تمہاری عمر کا تھا تو میں بھی تھوڑا تھوڑا شرارتی تھا۔" وہ کھیت کی منڈیر پر بیٹھ گیا تھا اور اسے بھی بٹھا لیا تھا۔

"اور پھر پھپھو آپ کو شرارتوں پر ڈانٹتی تھیں۔"

"نہیں میری مما مجھے نہیں ڈانٹتی تھیں کیونکہ میں نے کبھی ایسی شرارت نہیں کی تھی جو کسی کے لیے باعث تکلیف ہو۔ چھوٹی چھوٹی بے ضرر شرارتیں جن پر مما مسکرا دیتی تھیں۔"

اور تب اس وقت اسے پتا نہیں تھا کہ پھپھو اس کی مما نہیں ہیں اور اس روز اس نے ارحم سے کتنی ہی باتیں کی تھیں — ابا کی اماں کی — سحر آپی کی اور اپنی شرارتوں کی۔ چھوٹی چھوٹی بے ضرر شرارتیں۔

"لیکن اب میں شرارتیں نہیں کرتی۔" اس نے ارحم کو بتایا تھا۔

ارحم نے بہت دلچسپی سے اس کی باتیں سنی تھیں۔

"کیونکہ اماں کہتی ہیں جن بچوں کے "ابا" نہیں ہوتے انہیں چھوٹی سی شرارت بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جن کے "ابا" نہیں ہوتے وہ بچے تنہا ہوتے ہیں بالکل اکیلے اور وہ اگر شرارت کریں تو ان کے ابا انہیں بچانے کے لیے نہیں آسکتے۔"

"اور جن بچوں کی اماں نہیں ہوتیں وہ بھی بالکل تنہا اور اکیلے ہو جاتے ہیں گڑیا۔" اس نے کہا تھا اور آج اتنے سال گزرنے کے بعد اس جملے میں چھپے درد کو اس نے دل کی پوری گہرائیوں کے ساتھ محسوس کیا تھا، لیکن تب اس روز اس نے ارحم کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں اکیلے تو ہو جاتے ہیں، لیکن ابا امی کی مار سے بچا سکتے ہیں۔ اماں تو نہیں بچا سکتیں نا جب امی مارتی ہیں وہ تو خود ڈر جاتی ہیں ان سے۔"

"کیا امی تمہیں مارتی ہیں گڑیا۔"

"ہاں کبھی کبھی۔" اس نے سر ہلایا تھا اور ارحم نے اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

"اور کیا سحر کو بھی۔"

"ہاں جب سحر آپی ادھر تھیں تو امی انہیں بہت ڈانٹتی تھیں اور کبھی کسی غلطی پر مار بھی دیتی تھیں تو پھپھو اس لیے تو انہیں ساتھ لے گئی ہیں۔"

"اچھا تو تم بھی چلو نا ہمارے ساتھ۔"

"نہیں میں اماں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ اکیلی ہوں گی تو زیادہ روئیں گی۔ ابھی تو صرف سحر آپی کو یاد کر کے روتی ہیں اور پھر مجھے بھی یاد کریں گی۔" اس نے بڑے مدبر انداز میں کہا تھا۔

"اور پھر امی بھی زیادہ لڑیں گی ان سے۔" اور ارحم نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھنے کے بعد اس کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔

"چلو گڑیا گھر چلتے ہیں۔"

اور اس رات ارحم نے اماں سے کتنی بحث کی تھی۔

"آنٹی آپ کو اعتراض کیا ہے آخر، عینا وہاں بہت خوش رہے گی۔ مما اس سے سحر سے بھی زیادہ پیار کرتی ہیں۔"

"جانتی ہوں بیٹا، لیکن عینا خود نہیں جانا چاہتی۔"

"یہ اتنی چھوٹی سی نو سال کی تو ہے آپ کہیں گی تو آپ کی بات مان لے گی۔"

"نہیں بیٹا یہ نہیں جائے گی، میں جانتی ہوں بھلے اسے روز ہی کیوں نہ مار کھانی پڑے یہ سحر سے بہت مختلف ہے۔"

اماں کو کتنا یقین تھا اس پر، لیکن اب وہ انہیں اکیلی چھوڑ کر آگئی تھی۔۔۔ کاش اماں اسے اپنی قسم نہ دیتیں تو کچھ بھی ہوتا وہ اماں کو یوں امی کے طعنے کھانے کے لیے اکیلا نہ چھوڑتی۔۔۔ امی لڑتی تھیں۔۔۔ برا بھلا کہتی تھیں تو وہ کم از کم اماں کے آنسو تو پونچھتی تھی۔ انہیں کتنا آسرا تھا اس کا۔۔۔ ایک گہری سانس لے کر وہ بیڈ سے اٹھی اور کچن میں حمیدہ کے پاس آگئی۔

"حمیدہ ارحم بھائی کھانا نہیں کھائیں گے آپ جو چاہے پکالیں۔"

"ہاں وہ اندر نہیں آتے۔۔۔ جب بھی آئیں باہر ہی کھانا کھاتے ہیں۔"

"کیا پھپھو نہیں کہتیں ان سے۔"

"شروع شروع میں تو کہتی تھیں لیکن اب نہیں کہتیں کچھ بھی۔۔۔ اور ارحم صاحب تو دو تین سال بعد ہی آتے ہیں بڑے صاحب سے ملنے اور کبھی چند دن رہ کر چلے جاتے ہیں کبھی زیادہ دن۔" وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ آخر ایسا کیا ہے۔ کیا پھپھو اور ارحم بھائی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا جب سحر یہاں آ کر رہی تھی۔۔۔ لیکن پھر اسے حمیدہ سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں لگا اس نے سوچا ہو سکتا ہے کبھی پھپھو خود ہی بتادیں۔ پھپھو کبھی بھی روایتی سوتیلی ماں نہیں ہو سکتیں۔ اس کا اسے یقین تھا۔ کتنا خیال رکھ رہی تھیں وہ اس کا۔ سحر آپی اماں اور اس سے کتنی محبت کرتی تھیں۔ وہ اگر روایتی نند نہیں تھیں تو پھر روایتی سوتیلی ماں کیسے ہو سکتی ہیں۔ ضرور ارحم خود ہی۔ کتنا تلخ لہجہ تھا اس کا۔ اور آنکھوں سے کیسی آگ سی نکل رہی تھی۔

"خیر مجھے کیا۔" اس نے ہولے سے کندھے جھٹکے ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔۔۔ یہاں کرنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا۔ اللہ کرے پھپھو جلد ہی اس کا ایڈمیشن کروادیں۔۔۔ اس طرح فارغ رہنے سے تو بہتر ہے کہ کچھ پڑھ ہی لوں۔ اور پڑھ کر کہیں کسی کالج یا اسکول میں جاب کرلوں۔ کوئی چھوٹا سا گھر کرائے پر لے لوں اور اماں کو اپنے ساتھ لے آؤں، اماں کو یہاں پھپھو کے گھر رہنے پر اعتراض ہے نا۔ وہ گھر تو اپنا ہوگا نا۔۔۔ وہ خواب دیکھنے لگی تھی کمال ہے اسے پہلے اس طرح کا کوئی خیال کبھی کیوں نہیں آیا۔ جب تین سال پہلے اس نے پرائیویٹ بی اے کیا تھا اور اس کے نمبر ثنا سے بہت زیادہ آئے تھے۔ ثنا جو اس کے ماموں کی تیسرے نمبر والی بیٹی تھی اور شہر کے کالج میں پڑھتی تھی۔ گاؤں سے شہر زیادہ دور نہیں تھا۔ گاؤں کی اکثر لڑکیاں وین یا سوزوکی پر روزانہ شہر پڑھنے جاتی تھیں۔ لیکن وہ خواہش کے باوجود کالج میں ایڈمیشن نہیں لے سکتی تھی۔۔۔ امی دن میں دس بار تو سناتی تھیں کہ اس کے پرائیویٹ پڑھنے کی وجہ سے بھی ان کے خرچ میں کتنا اضافہ ہو گیا ہے اور اس روز جب اس کا رزلٹ آیا تھا تو تب بھی امی نے کتنی باتیں سنائی تھیں۔

"لڑکا ہوتا تو آج چودہ پڑھ کر کسی نوکری سے لگ

جاتا۔۔۔ خوامخواہ کا خرچا کیا۔" اور اماں کے ساتھ وہ بھی اس افسوس میں بیٹھ گئی تھی کہ کاش ایک بھائی ہوتا جو ۔۔۔ اور اپنے متعلق تو ایک لمحہ کے لیے بھی اسے جاب کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔

"کمال ہے۔" اس نے ایک بار پھر زیر لب کہا اور پاس پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز اونچی کردی۔ اور بہت انہماک سے ٹی وی دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ آنکھیں موندے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔۔۔ ایک کے بعد ایک سگریٹ سلگاتا وہ ماضی میں کھویا ہوا تھا۔ یونہی آنکھیں موندے موندے اس نے تکیے کے پاس پڑا سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر ایک اور سگریٹ لینا چاہا لیکن ڈبا خالی ہوچکا تھا۔ وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور خالی ڈبا سائیڈ ٹیبل پر پڑی ٹرے میں پھینک دیا۔ اس ٹرے میں رات والے خالی برتن پڑے تھے اور وہ جانتا تھا کہ کوئی ٹرے لینے نہیں آئے گا جب تک وہ خود کسی کو بلاتا نہیں اس کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور اس نے ٹرے سے نظریں ہٹائیں جو سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھر چکا تھا۔

"تو یہ عینا بی بی تھیں۔ سحر جلال کی بہن اور بیگم راحت فراز کی بھتیجی۔۔۔ سحر جلال۔۔۔" اس کے لبوں سے سرگوشی کی طرح نکلا اور جیسے اندر کئی زخموں کے ٹانکے کھل گئے۔

"تم کتنی بڑی اداکارہ تھیں سحر جلال لیکن میں تمہیں نہ جان سکا۔ شاید میں بہت بے وقوف تھا یا تم زیادہ بڑی اداکارہ" اس نے بیڈ سے پاؤں نیچے لٹکائے۔

وہ جو سمجھتا تھا کہ وہ سب کچھ بھول چکا ہے تو آج عینا کو دیکھ کر جس طرح زخموں کے ٹانکے کھلے تھے تو اس نے جانا تھا کہ وہ بھولا تو کچھ بھی نہیں تھا بس بھولنے کی سعی کرتا رہا تھا۔

اس نے بیڈ کے پاس پڑے سلیپر پہنے اور کھڑا ہوگیا جھک کر تکیے کے پاس پڑا والٹ اٹھایا اور جینز کی پاکٹ میں ٹھونس کر اس نے اپنے ماتھے پر بکھرے سلکی بالوں کو بائیں ہاتھ سے پیچھے کیا۔ قریب ہی جیسے کوئی ہولے سے ہنسا تھا۔

"تمہیں جب پتا ہے ارحم کہ یہ ابھی پھر تمہارے ماتھے پر بکھرے ہوں گے تو پھر خوامخواہ کیوں ہاتھوں کو تکلیف دیتے ہو۔"

"اوہ یہ آوازیں جانے کب میرا پیچھا چھوڑیں گی اف" اس نے غیر ارادی طور پر کانوں پر ہاتھ رکھے جیسے اپنی سماعتوں کو ان آوازوں سے بچانا چاہتا ہو لیکن وہ تو جیسے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"ادھر میری طرف کیوں نہیں دیکھتے کیا دیکھنے کی تاب نہیں ہے" اور پھر نقرئی ہنسی جیسے دور کہیں کسی مندر میں گھنٹیاں بج رہی ہوں۔

"ہاں نہیں تھی تاب۔ بالکل نہیں تھی تمہیں دیکھنے کی حالانکہ تمہاری طرف دیکھنا میرے لیے کسی عبادت سے کم نہ تھا" اس نے جھنجلا کر ہاتھ کانوں سے ہٹائے اور اپنے پیچھے زور سے انیکسی کا دروازہ بند کرتا ہوا تیز تیز چلتا گیٹ کی طرف بڑھا۔

"سلام چھوٹے صاحب۔" خدابخش کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تو بے اختیار اس نے رک کر ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"بیٹھیں بیٹھیں چاچا۔ کتنی بار کہا ہے آپ بزرگ ہیں۔۔۔ مجھ سے بڑے ہیں میرے لیے مت کھڑا ہوا کریں۔"

"جیتے رہو بیٹا۔"

خدابخش نے ایک ممنونیت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"خوش رہو۔ اللہ اتنی خوشیاں دے کر دامن تنگ ہوجائے۔"

ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"خوامخواہ اپنی دعائیں ضائع نہ کیا کریں۔ خوشیاں تو ارحم فراز سے اس طرح دور بھاگتی ہیں جیسے چوہا بلی کو دیکھ کر بھاگتا ہے"۔ اس نے سوچا اور اس تشبیہ پر خود ہی ہنس پڑا۔ خدابخش نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ارحم کو اس طرح ہنستے ہوئے اس نے سالوں بعد دیکھا تھا۔

"ارحم بیٹا اس بار واپس مت جانا۔ تمہارے ڈیڈی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔۔۔ انہیں تمہاری بہت ضرورت ہے بیٹا۔"

"اچھا" اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے۔

"آپ شاید بھول گئے ہیں چاچا انہوں نے آپ کے سامنے ہی کہا تھا۔۔۔ کہ ان کا صرف ایک بیٹا ہے صائم"۔ کسی تلخ یاد نے اندر کہیں ڈنک مارا تھا اور خدابخش کو افسوس سا ہونے لگا تھا کہ اس نے ایسی بات کی ہی کیوں پھر بھی نرمی سے بولا۔

"غصے میں آگئے تھے باپ ہیں۔ تمہیں بھلانا اور یاد کرنا ان کے اختیار میں کب ہے۔ یہ جذبے تو فطری ہوتے ہیں"۔

"چاچا میں ذرا سگریٹ لینے جارہا ہوں۔۔۔ کمرے میں رات کے برتن پڑے ہیں اندر بھجوا دیجیے گا۔ اور آئندہ کوئی کھانا وانا اندر سے مت لائیے گا۔" خدابخش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ تھکے ہوئے لگ رہے ہو بیٹا میں لے آتا ہوں۔"

"نہیں چاچا کہیں مسز راحت کو برا نہ لگ جائے"۔ اور وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔ خدابخش نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"پتا نہیں اس بچے کا دکھ کب کم ہوگا اتنے سال گزر گئے۔ آنکھوں سے اب بھی درد چھلکتا ہے"۔ خدابخش کو ارحم سے بہت محبت تھی۔۔۔ وہ جب اس گھر میں آیا تھا تو ارحم صرف سات سال کا تھا اور ماں کی موت سے ڈرا ہوا اور دکھی۔ ہر وقت آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہتی تھیں۔ اکثر خدابخش کے پاس آکر بیٹھ جاتا تھا۔ اور وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتا رہتا تھے۔۔۔ اور محبت کا وہ تعلق جو تب ان کے درمیان بنا تھا اب بھی ویسا ہی مضبوط تھا خدابخش کے لبوں سے ہمیشہ ارحم کے لیے دعائیں نکلتی تھیں چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں بھی ہوتا۔

وہ بیٹھتے بیٹھتے رک گیا اور انیکسی کی طرف بڑھا۔۔۔ سائیڈ ٹیبل سے ٹرے اٹھاتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

"پتا نہیں رات بھر میں کتنے سگریٹ پھونک ڈالے ہیں اور اب پھر لینے چل پڑے۔ یا اللہ اس بچے کی مسکراہٹیں اسے لوٹا دے۔" دل ہی دل میں دعا مانگتا وہ اندرونی گیٹ تک آیا اور دستک دے کر حمیدہ کو ٹرے پکڑا دیا۔

"دوپہر میں کھانا بھیج دوں چاچا"۔ حمیدہ نے یونہی پوچھ لیا حالانکہ عینا اسے بتا چکی تھی۔

"نہیں ارحم صاحب نے منع کیا ہے"۔

"ارے باپ کا گھر ہے کون سا بیگم صاحبہ سب میکے سے لائی ہیں۔ حق ہے ارحم صاحب کا۔ میں ہوتی صاحب کی جگہ تو دھڑلے سے آتی رہتی کھاتی پیتی۔" حمیدہ نے اپنی طرف سے بہت آہستگی سے بات کی تھی لیکن اس کی یہ آہستہ آواز بھی لاؤنج میں بیٹھی عینا نے بہت صاف سنی تھی۔ اور سوچا تھا کہ پھپھو بے شک بہت اچھی ہیں لیکن کہیں نہ کہیں انہوں نے ارحم بھائی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے یعنی وہ اچھی اسٹیپ مدر ہرگز نہیں ہیں۔۔۔ ورنہ ارحم بھائی ایسے تو نہیں تھے یوں اتنے تلخ اور سخت تو کیا سحر آپی۔۔۔ اس کی وجہ سحر آپی ہیں۔ اور وہ سحر آپی سے محبت بھی تو بہت کرتے تھے۔ اور سحر آپی وہ تو جیسے ان کے عشق میں مبتلا تھیں۔ یکے بعد دیگرے کئی مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے آئے۔ جب وہ یہاں آئی تھی اور ارحم نے اسے بہت گھمایا تھا۔ ہر جگہ وہ سحر کے ساتھ اسے لے کر گیا تھا۔ اور اس سے باتیں کرتے اسے گھماتے پھراتے ہوئے بھی اس کی نظریں صرف سحر کو دیکھتی تھیں۔ اور سحر وہ تو جیسے ارحم کے سنگ چلتے ہوئے ہواؤں میں اڑتی تھی۔

کتنی ہی بار اس نے عینا سے پوچھا تھا

"عینا تجھے ارحم کیسا لگتا ہے۔"

"ارحم بھائی بہت اچھے ہیں"۔ وہ تو صرف دو بار ملنے کے بعد ہی اس کی دیوانی ہوگئی تھی۔

"مجھے بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔ عینا تو میرے لیے دعا کیا کر۔۔۔"

"کیا دعا آپی کہ تم ارحم بھائی کی دلہن بن جاؤ"۔
"ہاں" سحر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتی۔
اور اس نے ان دونوں کتنی دعائیں کی تھیں ارحم اور سحر کے لیے لیکن اس کی دعائیں قبول نہیں ہوئی تھیں اور یہ خرم شہزاد نہ جانے کہاں سے آکر انہیں دلہن بنا کر لے گیا تھا اور وہاں اس بڑے ہال میں ارحم کہیں نہیں تھا۔ کتنا ڈھونڈا تھا اس نے اسے۔ اور راحت پھپھو سے بھی پوچھا تھا۔
"پتا نہیں" راحت پھپھو بے حد مصروف تھیں۔ تب اس نے صائم کو تلاش کیا تھا۔ "صائم ارحم بھائی کہاں ہیں"۔ صائم نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"تمہیں کیا کام ہے ارحم بھائی سے۔" "بس ایسے ہی پوچھا تھا۔" پتا نہیں کیوں اپنے سے دو سال چھوٹے صائم سے آج دوسری بار ملتے ہوئے بھی وہ مرعوب ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے کیمرے سے اس کی تصویر بنائی تھی۔
"میری تصویر کیوں بنائی ہے تم نے" وہ ارحم بھائی کو بھول کر صائم سے پوچھ رہی تھی۔
"میری مرضی؟" اس نے کندھے اچکائے تھے۔
وہ ساڑھے سات سال کی عمر میں جتنا بااعتماد اور بے نیاز لگا تھا اسے، آج بھی ایسا ہی تھا۔ بارہ سال کی عمر میں۔
"میں اپنے ماموں کی بیٹی کی تصویر بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ کیا اس میں کوئی حرج ہے۔" اور وہ پلٹا کر بغیر جواب دیئے مڑ کر اماں کو ڈھونڈنے لگی تھی۔
"ویسے وہ آئے نہیں گھر پر ہی ہیں شاید اپنے کمرے میں۔" اس نے اسے وہاں ہی سے آواز دے کر بتایا تھا۔ شاید ان کی طبیعت خراب ہو۔ اس وقت وہ یہ نہیں جان سکی تھی کہ ارحم اپنی محبت کے بچھڑ جانے کے دکھ سے گزر رہا ہو گا۔ اس نے سحر کو خوش دیکھا تھا اور سوچا تھا کہ ارحم بھی خوش ہو گا لیکن ارحم خوش نہیں تھا۔ وہ جب سحر کی رخصتی کے بعد گھر آئے تھے تو

اس نے ارحم کو دیکھا تھا لان میں دسمبر کی اس سرد رات میں صرف پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ سردی کے احساس سے بے نیاز بیٹھا تھا۔ اس کے بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
"ارحم بھائی" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی ارحم نے نظریں اٹھائی تھیں۔ وحشت بھری نظریں۔ اور لحہ بھر وہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا پھر یکدم اٹھا تھا اور تیز تیز چلتا ہوا گیٹ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ وہ حیران سی وہاں ہی کھڑی رہ گئی تھی۔
یہ ارحم بھائی کو کیا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ ارحم بھائی سے اپنی وہ پہلی ملاقاتیں یاد آئی تھیں۔ وہ شفقت، محبت۔ پھر اس کے بعد اس نے ارحم کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دیکھتی بھی کیسے وہ کبھی پھر پھپھو کے گھر آئی ہی نہیں تھی۔ اس روز صبح سویرے ہی وہ ماموں مامی اور اماں کے ساتھ گاؤں چلی آئی تھی۔ پھپھو اب بھی پہلے کی طرح دو تین ماہ بعد گاؤں کا چکر لگائی تھیں۔ انہیں اماں کا اور اس کا بہت خیال رہتا تھا۔ اور وہ جب بھی گاؤں آتیں اسے ایک بار تو ضرور ساتھ چلنے کو کہتی تھیں۔ سحر بھی شادی کے بعد دو تین بار اماں سے ملنے آئی تھی اور ہر بار ہی اس نے ان کے چہرے پر کسی دکھ کو کھوجنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے ان کے چہرے پر کسی دکھ کی پرچھائیں نظر نہ آئی تھی۔
"کیا آپ کو ارحم بھائی یاد نہیں آتے۔ کیا آپ خوش ہیں۔"
"ہاں نا خوشی والی کیا بات ہے اور ارحم مجھے کیوں یاد نہیں آئے گا بھلا۔ اتنا عرصہ ایک ہی گھر میں رہے ہیں۔ صائم پھپھو تم اور اماں سب ہی یاد آتے ہیں مجھے۔"
اور جب تک وہ فرانس نہیں گئی۔ ہر بار جب وہ ملی وہ کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتی تھی لیکن سحر اسے ہمیشہ ہی بہت خوش اور مطمئن لگی تھی۔ لیکن یہ ارحم، پھپھو نے کبھی ارحم کے متعلق بات نہیں کی تھی۔ بس ایک بار بتایا تھا کہ وہ ملک سے باہر ہوتا ہے۔ اور

ایک بار جب ماہی نے پوچھا تھا کہ وہ ارحم کی شادی کہاں کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اور ماہی کو تو اس روز سے ہی کرید لگی تھی جب سے انہوں نے سحر کی شادی میں ان کا شاندار گھر دیکھا تھا۔

اور تب راحت پھپھو نے بتایا تھا کہ ارحم نے تو شاید وہاں ہی امریکہ میں شادی کرلی ہے کسی میم سے۔ تب ماہی کے چہرے پر چھائی مایوسی دیکھ کر اسے بے حد کمینی سی خوشی ہوئی تھی۔ کب سے وہ اماں کے پیچھے پڑی تھیں کہ ان کی کسی بیٹی سے وہ ارحم کی شادی کروادیں۔ اور پھر اتنے سالوں میں کبھی اس نے ارحم کا ذکر نہیں سنا تھا۔ ہولے ہولے وہ خود بھی بھول گئی تھی۔ اور اگر آج ارحم کو وہ نہ دیکھتی تو اسے ارحم کے متعلق کچھ بھی یاد نہ آتا۔ اس نے بہت بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ اور اٹھ کر کچن میں آگئی۔ کچھ دیر دروازے کے پاس کھڑی حمیدہ کو کچن میں کام کرتے دیکھتی رہی۔ حمیدہ نے کاؤنٹر صاف کرتے ہوئے اسے مڑ کر دیکھا۔

”کچھ چاہیے تھا بی بی؟“

”نہیں“ اس نے نفی میں سر ہلایا اور واپسی کے لیے مڑی لیکن پھر مڑ کر حمیدہ کی طرف دیکھا۔

”حمیدہ یہ ارحم بھائی کی بیوی نہیں آئیں پاکستان۔“

”ارحم صاحب کی بیوی؟“ حمیدہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں ان کی بیوی وہ اکیلے آئے ہیں نا۔ کیا پہلے بھی اکیلے آتے ہیں اور ان کے بچے۔“

”انہوں نے تو شادی ہی نہیں کی“ حمیدہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”لیکن میں نے سنا تھا کسی میم سے“۔ عینا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ایک بار ایک میم آئی تھیں یہاں بڑی خوبصورت تھیں۔ یہ نیلی نیلی آنکھیں سونے جیسے بال۔۔۔ ہر وقت ارحم صاحب کے آگے پیچھے ہوتی رہتی تھیں۔ کھانے کی ٹیبل پر بھی ان کی نظریں صاحب پر ہوتی تھیں کھاتی کم ارحم صاحب کو زیادہ دیکھتی تھیں۔“ وہ ہنسی۔

”بڑے صاحب نے پوچھا تھا۔ شادی کا لیکن ارحم صاحب نے کہا یہ صرف میری دوست ہے اور پاکستان دیکھنے آئی ہے۔ صاحب نے تو زور بھی دیا تھا لیکن ارحم صاحب نہیں مانے“۔

”کیوں“۔ بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

”میں تو تب ادھر کام نہیں کرتی تھی عینا بی بی پر۔۔۔“ حمیدہ نے بات ادھوری چھوڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

”پر کیا؟“ عینا نے بے چینی سے پوچھا۔

وہ میری بھرجائی کام کرتی تھی ادھر اس نے بتایا تھا مجھے ارحم صاحب کا چکر تھا کسی کے ساتھ ادھر شادی نہیں ہو سکی تھی ان کی۔ مرتے مرتے بچے تھے بڑی حالت خراب ہو گئی تھی۔ مہینوں ہسپتال میں رہے تھے۔ سنا ہے بڑی لڑائی ہوئی تھی تب بڑے صاحب اور بیگم صاحب کی۔ صاحب نے بیگم صاحبہ سے کہا تھا کہ انہیں پتا تھا اس عشق و معشوق کا تو۔ انہوں نے بتایا کیوں نہیں“۔

عینا نے بے حد ناگواری سے اسے دیکھا لیکن ظاہر ہے وہ اس کا انداز گفتگو بدل نہیں سکتی تھی۔ سو اپنی ناگواری کا اظہار کیے بغیر اس نے پوچھا۔

”کون تھی وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ لڑکی جس سے ارحم بھائی شادی کرنا چاہتے تھے۔“ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

”پتا نہیں جی، مجھے نہیں پتا کون تھی وہ لیکن جی کوئی بھی تھی اس نے ارحم صاحب کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ بھرجائی کہتی تھی ارحم صاحب ہسپتال سے آکر ملک سے ہی باہر چلے گئے تھے اور چار سال بعد آئے تھے جب بڑے صاحب کا دل کا آپریشن ہوا تھا۔“

حمیدہ نہیں جانتی تھی لیکن وہ جانتی تھی وہ لڑکی سحر آپی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور سحر آپی وہ۔۔۔ وہ یکدم ہی کچن کے پاس سے ہٹ کر لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ اور وہاں کھڑے کھڑے ہی اس نے چھوٹا گیٹ کھلتے اور پھر ارحم کو اندر آتے دیکھا۔ اس نے رک کر خدا بخش سے کوئی بات کی تھی۔ اور پھر سر جھکائے پچھلے لان کی طرف بڑھ گیا۔۔۔ وہ اندرونی گیٹ کے پاس دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ یہ برآمدہ تھا۔ برآمدے کی چار سیڑھیاں پورچ کی طرف اور چار سیڑھیاں لان کی طرف تھیں۔ وہ گیٹ کے پاس کھڑے کھڑے بھی نظر اٹھاتا تو اس کی نظر عینا پر ضرور پڑتی لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے بائیں طرف پورچ میں سر جھکائے گزرتا چلا گیا تھا۔ اس وقت پورچ میں کوئی گاڑی نہیں تھی۔ اس نے جان بوجھ کر نظر نہیں اٹھائی تھی۔ اسے گیٹ میں داخل ہوتے ہی پتا چل گیا تھا کہ وہ وہاں کھڑی ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔ وہ اسے ”یقیناً“ دیکھنا اور اس سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ کیونکہ سحر آپی نے اس کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا تھا اور وہ سحر آپی کی بہن تھی۔ اس نے پتا نہیں کیوں خود ہی سوچ لیا تھا کہ بے وفائی سحر آپی نے کی ہوگی۔ اس کا کتنا دل چاہ رہا تھا ارحم سے بات کرنے کا۔۔۔ لیکن وہ بے حد افسردہ سی ہو کر سیڑھیاں اتر کر لان میں آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

انیکسی کا دروازہ کھولتے کھولتے وہ رکا۔

اور پھر یکدم واپس مڑا اسے یاد آیا تھا کہ اس نے خدا بخش سے ڈیڈی کے متعلق تو پوچھا ہی نہیں کہ وہ کب تک واپس آرہے ہیں۔۔۔ وہ یہاں صرف ڈیڈی کی خاطر آتا تھا۔ جب وہ چار سال بعد ان کی بیماری کا سن کر آیا تھا تو اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب ان سے رابطے میں رہے گا اور چکر لگاتا رہے گا۔ آئی۔ سی۔ یو میں ڈیڈی کے پاس بیٹھے بیٹھے اس کا دل گداز ہوتا رہا تھا۔ اور وہ وعدہ کرتے ہوئے نہیں جانتا تھا کہ وہ اس وعدے پر قائم نہیں رہ سکے گا۔ مہینوں گزر جاتے وہ فون نہ کر پاتا۔ پھر فراز خان کا خود ہی فون آجاتا وہ گلہ کرتے فون نہ کرنے کی شکایت کرتے اور جواب میں وہ یہ بھی نہ کہہ پاتا کہ ان گزرے مہینوں میں انہوں نے خود کتنی بار اسے فون کیا تھا۔ معذرت اور مصروفیت چند جملوں کا تبادلہ اور بس۔ اور اب بھی ان گزرے دو سالوں میں زیادہ سے زیادہ تین یا چار بار اس کی بات ہوئی تھی اور اب اچانک ہی اس کا دل گھبرایا تھا۔۔۔ ان دنوں وہ یو۔ اے۔ ای میں تھا۔ گورنمنٹ کنسلٹنٹ انجینئر۔

آخری بار جب اس کی فراز خان سے بات ہوئی تھی تو وہ نیویارک میں تھا۔ اور اس بات کو سال ہونے والا تھا۔ پتا نہیں ڈیڈی کیسے ہوں گے کہیں بیمار نہ ہوں۔ ہارٹ پیشنٹ تو ہیں ہی۔۔۔ اور اس نے پاکستان آنے کا ارادہ کیا اور پھر بغیر اطلاع کے آپہنچا۔ کم از کم وہ آنے سے پہلے فون کر لیتا تو اسے پتا تو چل جاتا کہ ڈیڈی گھر پر نہیں ہیں تو وہ کچھ دنوں بعد آجاتا۔۔۔ خوامخواہ میں چھٹی لیتے ہوئے باس سے بھی جھگڑ بیٹھا تھا۔ باس چاہتا تھا کہ وہ دو ہفتے بعد چھٹی پر چلا جائے بے شک اس کی چھٹی ڈیو ہے لیکن فی الحال کچھ کام ہے۔۔۔ لیکن وہ تو یوں ہی اس برطانوی باس سے خار کھاتا تھا سو بھڑک اٹھا تھا۔۔۔ خیر۔۔۔

خدا بخش کے قریب پہنچتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے۔ خدا بخش سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”ڈیڈی کے پروگرام کا آپ کو کچھ پتا ہے چاچا کب تک آئیں گے۔“

”مجھے تو نہیں پتا لیکن پندرہ بیس دن تو لگ ہی جائیں گے۔ کیونکہ میں نے سنا تھا بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ اتنے دنوں وہ عینا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔“

”اچھا“ اس نے مڑتے ہوئے نظریں اٹھائیں وہ لان میں کرسی پر سر جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے افسوس ہوا اس نے سوچا وہ اس سے اپنے رویے کے لیے معذرت کرلے۔ یہ اتنی افسردہ لگ رہی ہے یقیناً ”میں نے اسے ہرٹ کیا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ چھوٹی سی بچی آگئی تھی جو بہت اشتیاق سے چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھتی تھی اور کوئی نئی بات جان کر اس کی آنکھیں چمک اٹھتی

تھیں۔ جوانی ماں سے ڈرتی تھی اور جسے اپنی اماں سے بہت محبت تھی اور وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر شہر نہیں آنا چاہتی تھی۔ کبھی بھی نہیں لیکن اب آگئی تھی اس کے لبوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"محبتوں کے سارے دعوے دھرے رہ جاتے ہیں جب سامنے یہ شاندار گھر سہولتیں اور عیاشیاں ہوں" وہ عینا کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ دھوپ اس کے کندھوں اور بازوؤں پر اور دائیں رخسار پر پڑ رہی تھی لیکن وہ بے نیازی سی بیٹھی تھی۔

"یہ لڑکیاں ہوتی ہی اس قابل ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے ورنہ سر پر چڑھ جاتی ہیں۔"

وہ ایک جھٹکے سے مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے لیے کافی بنا کر جب وہ بیڈ پر بیٹھا تو اس کی آنکھیں جل رہی تھیں بہت سال پہلے جب وہ نو سال کا تھا تو یونہی عینا کی طرح دھوپ سے بے نیاز کرسی پر بیٹھا تھا جب ڈیڈی چپکے سے اس کے پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔

"رومی بیٹا میری جان یہاں کیوں بیٹھے ہو دھوپ میں۔"

اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا ہوا میری جان تم روئے تھے۔ کسی نے کچھ کہا" وہ تڑپ اٹھے تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں"

"پھر کیا ہوا ماما یاد آرہی ہیں"

اس نے سر ہلا دیا تھا۔ حالانکہ وہ کہنا چاہتا تھا وہ ماما کو بھولتا ہی کب تھا۔ وہ تو اسے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے ہر وقت یاد آتی تھیں۔ کتنی اچھی تھیں کتنی محبت کرتی تھیں وہ۔

"ادھر آؤ بیٹا میرے پاس" وہ اٹھ کر ان کے پاس آکھڑا ہوا تھا اور ان سے لپٹ کر وہ بری طرح رو پڑا تھا۔

"ڈیڈی آپ شادی کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے کوئی اور ماما نہیں چاہیے۔۔۔ میری ماما تو بس وہی تھیں" اور وہ بھونچکے سے رہ گئے تھے۔

"تمہیں کس نے بتایا"

"سب کہہ رہے ہیں آپ میری خاطر شادی کر رہے ہیں۔۔۔ اور جو نئی ماما ہوں گی وہ اچھی نہیں ہوں گی۔۔۔ وہ مجھے میری ماما کی طرح پیار بھی نہیں کریں گی اور ماریں گی بھی"۔ انہوں نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"دوسروں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے میری جان میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا"۔

"تو آپ شادی نہیں کریں گے نا"۔

"نہیں" وہ مسکرائے تھے۔

"کبھی بھی نہیں"۔ اس نے یقین دہانی چاہی تھی۔

"ہاں کبھی بھی نہیں"۔

"پرامس"۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"پرامس ہم دونوں باپ بیٹوں کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ ہم دونوں تاعمر اکیلے رہ سکتے ہیں۔"

انہوں نے وعدہ کیا تھا لیکن وعدوں کا کیا ہے وہ تو یوں ٹوٹ جاتے ہیں۔ جیسے پانی کے بلبلے بنے اور ختم۔

وعدے تو اس نے بھی کیے تھے بہت سارے عمر بھر ساتھ چلنے کے ایک ساتھ جینے مرنے کے لیکن کیا ہوا سارے وعدے بھلا کر چل دی اور کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ وہ خالی جھولی پھیلائے آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ ڈیڈی بھی وعدے بھول گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا وہ دونوں عمر بھر اکیلے رہ سکتے ہیں لیکن وہ نہیں رہ سکتے تھے اور راحت آنٹی سے شادی کر لی تھی۔ وہ ابھی آٹھویں کلاس میں تھا۔ اسے برا تو لگا تھا کہ راحت آنٹی اس کی ممی کے بیڈ روم میں رہیں۔ اور اس کے بابا کو شیئر کریں۔ لیکن بہر حال راحت اسے اتنی بری بھی نہیں لگی تھیں کہ وہ ڈیڈی سے ناراض ہوتا اور احتجاج کرتا۔ راحت کا رویہ اس کے ساتھ کافی اچھا تھا۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ شروع شروع میں ان کا اس طرح خیال رکھنا اور اتنا مہربان ہونا عجیب لگتا تھا لیکن پھر وہ ہولے ہولے ان کا عادی ہو گیا تھا۔ اور اس نے انہیں ممی کہنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اور جب صائم پیدا ہوا تھا تو وہ صائم کے ساتھ کافی اٹیچڈ

ہو گیا تھا۔ لیکن یہ عورتیں اف کس قدر دوغلی ہوتی ہیں۔ کیسے ہزار چہرے ہوتے ہیں ان کے۔ اور اصل چہرہ ہزاروں چہروں کے پیچھے چھپا۔ اس نے اپنے اندر تلخی پھیلتی محسوس کی اور ٹھنڈی کافی کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

"پھپھو" عینا نے اپنی پلیٹ میں چکن پیس رکھتے ہوئے بیگم راحت فراز خان کی طرف دیکھا۔ آج ڈنر پر وہ اس کے ساتھ تھیں۔ اور حسب معمول اتنی لمبی چوڑی ڈنر ٹیبل پر وہ دونوں تھیں۔

"ارحم بھائی بھی یہاں نہیں ہوتے اور صائم بھی آپ کا دل نہیں گھبراتا۔"

"صائم کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے گڑیا لیکن اس کے فیوچر کے لیے یہ جدائی تو برداشت کرنی پڑے گی۔ ویسے ہم ہر سال اس سے ملنے جاتے ہیں۔۔۔ کبھی وہ بھی آجاتا ہے۔ تین سال سے کچھ زیادہ ہی ہو گئے ہیں اسے گئے ہوئے۔ اے لیول کے بعد چلا گیا تھا۔"

"کیا وہ اب بھی ایسا ہی ہے پڑھاکو سا۔"

اس کے ذہن میں صائم اب بھی ویسا ہی تھا بے نیاز سا یا تو کمرے میں گھسا پڑھتا رہتا یا کمپیوٹر پر گیمز کھیلتا رہتا تھا۔

بیگم راحت مسکرادیں۔ صائم کا ذکر کرتے ہوئے ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"ہاں وہ بچپن سے ہی اپنی پڑھائی کے متعلق بہت سیریس تھا۔

"اور ارحم بھائی۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا بیگم راحت نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سلاد اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے لاپروائی سے بولیں۔

"اسے کبھی بھی پڑھائی سے لگاؤ نہیں رہا۔ اسکول میں ہی اس کی صحبت برے لڑکوں کے ساتھ تھی۔۔۔ سگریٹ پینا اور رات گئے تک آوارہ گردی کرنا۔۔۔ فراز تو بہت پریشان رہتے تھے اس۔ کے لیے اتنا سمجھاتے تھے لیکن۔۔۔"

اور عینا کو بے حد حیرت ہوئی جب وہ اس کے گاؤں آیا تو اس نے یا شاید سحر نے بتایا تھا کہ وہ انجینئر بن رہا ہے یا بن چکا ہے۔ اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ پھر۔۔۔ بیگم راحت نے بغور اسے دیکھا اور چکن کا ایک اور چھوٹا پیس اس کی پلیٹ میں رکھا۔

"باپ بیٹے میں ہمیشہ پڑھائی کے لیے ہی تو جھگڑا رہتا تھا۔ بلکہ اب بھی فراز کو افسوس ہوتا ہے۔"

"پھپھو پلیز" وہ چونکی۔

"اور نہیں میں نے چکن لے لیا تھا پہلے ہی"

"یہ بہت زبردست ہے یار کھاؤ"

وہ ہمیشہ ایسی ہی بے تکلفی سے بات کرتی تھیں۔

"تو کیا ارحم بھائی اس لیے گھر میں نہیں آتے کہ انکل سے ناراض ہیں۔" وہ بہت متجسس ہو رہی تھی اور پتا نہیں کیوں ارحم کے متعلق ہر بات جاننا چاہتی تھی۔ اس روز کے بعد سے اس نے ارحم کو نہیں دیکھا تھا پتا نہیں وہ کب باہر نکلتا تھا۔ ہاں رات میں انیکسی کی لائیٹ جلتی وہ اپنے کمرے کی گیلری سے دیکھتی تھی۔

بیگم راحت نے اس کی آنکھوں سے جھانکتے تجسس کو واضح طور پر محسوس کیا۔

"فراز اس کے لیے دکھی ہوتے ہیں اس کی حرکتوں پر لیکن بیٹا ہے ناراض تو نہیں رہ سکتے اس سے۔۔۔ وہ خود ہی نہیں آتا موڈی ہے۔"

انہوں نے کانٹے کی مدد سے تھوڑا سا مزید سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالا۔ وہ بہت ڈائیٹ کونشس تھیں۔ اس وقت بھی انہوں نے چکن کے ایک چھوٹے پیس اور سلاد کے سوا کچھ نہیں لیا تھا۔

"بلاوجہ ہی خفا ہو گیا ہے ہم سے۔ کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا فراز نے اجازت نہیں دی۔"

"کون تھی وہ پھپھو اور انکل نے اجازت کیوں نہیں دی۔"

"تھی کسی گھٹیا خاندان کی۔ پتا نہیں کہاں ملا تھا اسے۔ پھر بھی تمہارے انکل اس کی بات ماننے کو تیار تھے لیکن وہ تو کوئی بہت ہی لالچی لوگ تھے۔ کروڑوں کا

مطالبہ کردیا۔ کوٹھی فیکٹری سب نام کروانا چاہتے تھے۔"

اور عینا نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔ کتنا بوجھ تھا اس کے دل پر' جب سے اس نے ارحم کو دیکھا تھا بار بار اسے خیال آتا تھا۔ ارحم کی اس حالت کی ذمہ دار سحر ہی ہے۔

تو وہ جو سحر ارحم سے شادی کی اور محبت کی باتیں کرتی تھی تو وہ شاید سب یک طرفہ تھا۔ سحر کی اپنی سوچ اور خواہش۔ اور وہ جو سمجھتی تھی کہ سحر اور ارحم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے غلط تھا۔ اور سحر تو اپنی شادی سے بہت خوش تھی یعنی وہ اور اس کی باتیں محض وقتی تاثر تھا۔ اب وہ بے حد رغبت سے چکن کھارہی تھی۔

"تو تمہارے انکل یہ سب نہیں کرسکتے تھے بس اسی بات پر لڑائی رہتی تھی اس کی اپنے باپ سے۔ اور پھر۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑدی۔

"پھر کیا؟" کھاتے کھاتے اس نے بیگم راحت کی طرف دیکھا۔ "ڈرنک کرنے لگا تھا۔ خود فراز نے اس کے کمرے میں شراب کی بوتلیں دیکھی تھیں۔"

"کیا۔؟" نوالہ عینا کے ہاتھ سے چھوٹ گیا "کیا ارحم بھائی شراب پیتے ہیں"۔

اسے شراب پینے والوں سے بہت ڈر لگتا تھا۔ راحت بیگم نے اس کی آنکھوں سے جھلکتے خوف کو صاف محسوس کیا اور ایک مبہم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آکر معدوم ہوگئی۔

"محتاط ہی رہنا اگر کبھی گھر کے اندر آئے بھی تو زیادہ بات چیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے لوگوں کی کوئی اخلاقی اقدار تو ہوتی نہیں ہیں بارہ سالوں سے یورپ امریکہ میں رہ رہا ہے جانے کیا کیا برائیاں پیدا ہوگئی ہوں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"او کے جاؤ میں اب آرام کروں گی تھک گئی ہوں"۔ عینا نے سر ہلادیا۔ وہ ساکت بیٹھی تھی ہاتھ میں پکڑا ہوا نوالہ اس نے واپس پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔ وہ کسی گہرے دکھ کے حصار میں گھری بیٹھی تھی۔

ارحم شراب پیتا ہے۔ وہ اچھا نہیں ہے۔ اس میں اخلاقی برائیاں ہیں۔ یہ ساری باتیں بہت تکلیف دہ تھیں اور وہ ان پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن بھلا پھپھو جھوٹ کیوں بولیں گی۔ جہاں یہ جان کر دل پر دھرا بوجھ کم ہوا تھا کہ وہ لڑکی جس سے ارحم نے محبت کی سحر نہیں تھی۔ وہاں دل میں دکھ کا ایک کانٹا سا گڑ گیا تھا جو مسلسل چبھ رہا تھا اور تکلیف دے رہا تھا۔ کاش ارحم بھائی ایسے نہ ہوتے وہ جو بہت رغبت سے کھارہی تھی بچا ہوا چکن پلیٹ میں ہی چھوڑ اٹھ کھڑی ہوئی اور حمیدہ کو ٹیبل سمیٹنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

☼ ☼ ☼

کس سے کہوں کہ آج میرے ساتھ آکے پی۔
اتریں گے کس حلق سے یہ دلخراش گھونٹ

کس سے کہوں کہ آج میرے ساتھ آکے پی۔

آواز بھاری تھی اور اس میں سوز تھا۔ باہر سے گزرتی عینا نے سنا تو ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ پچھلے لان کی طرف لیموں توڑنے آئی تھی۔ لیموں توڑنے کا تو بہانہ تھا اندر کمروں میں اس کا دل گھبراتا تھا۔ نہ آسمان نظر آتا نہ سورج اور چاند دکھائی دیتا دن کے وقت بھی کمروں میں لائٹیں جلتی رہتی تھیں کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے رہتے تھے ہاں سن روم کی کھڑکیوں سے صبح صبح پردے ہٹادیے جاتے تھے تو روشنی اندر آجاتی تھی کبھی کبھی حمیدہ شیشے والی کھڑکی کھول دیتی تھی تو گرل میں سے ہوا کا جھونکا بھی آجاتا تھا۔ وہ کھلے گھروں میں رہنے کی عادی تھی اس لیے بہانے بہانے آسمان دیکھنے اور دھوپ کو محسوس کرنے کے لیے باہر آجاتی تھی۔ اب بھی حمیدہ نے رفیق سے کہا تھا کہ وہ لیموں توڑ لائے سلاد کے لیے اور وہ رفیق کو منع کرکے خود باہر آگئی تھی۔

کس سے کہوں کہ آج میرے ساتھ آکے پی

آواز پھر عینا کے کانوں میں آئی تو اسے لگا جیسے یہ آواز کھڑکی سے آرہی تھی۔ یہ کھڑکی انیکسی کے لاؤنج یا

بیڈ روم کی طرف تھی۔ اور کھلی ہوئی تھی۔ اس نے کھڑکی کے قریب آکر اندر جھانکا بالکل سامنے صوفے پر ارحم آنکھیں موندے صوفے کی پشت پر سر رکھے گنگنا رہا تھا۔

کس سے کہوں کہ آج

گنگناتے ہوئے وہ سیدھا ہوا اور اس نے ذرا سا ہاتھ بڑھا کر ٹیبل سے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔۔۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹی۔ ارحم ڈرنک کررہا تھا۔ اس نے کبھی شراب نہیں دیکھی تھی لیکن یہ ضرور شراب ہوگی اس نے سوچا۔ اسے ٹیبل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ضرور ٹیبل پر شراب کی بوتل بھی ہوگی۔ اس نے پنجوں کے بل کھڑے ہوکر دیکھنے کی کوشش کی۔ عین اسی لمحے ارحم نے کھڑکی کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہورہی تھیں۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا اور وہ پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ پیچھے کوئی پتھر پڑا تھا شاید جس سے ٹھوکر لگی تو وہ سی کرکے ایک دم زمین پر بیٹھ گئی اور ہاتھوں سے بے اختیار پاؤں کو دبایا تو پھپھو صحیح کہتی تھیں۔

اس نے سوچا اور کھڑکی کی طرف دیکھا۔ ارحم کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اور سرخ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلاس تھا۔ وہ پاؤں کی تکلیف بھلا کر تیزی سے اٹھی اور تقریباً "بھاگتی ہوئی اندرونی گیٹ تک آئی اور پھولے سانسوں کے ساتھ جب وہ اندر آئی تو سن روم میں صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے آواز دے کر حمیدہ کو بتایا کہ وہ رفیق کو لیموں توڑنے کے لیے بھیج دے۔

کیسا عجیب سا چہرہ ہورہا تھا ارحم بھائی کا۔ سوچا ہوا ستا سا اور آنکھیں کتنی سرخ ہورہی تھیں لگتا ہے پوری رات ڈرنک کرتے رہے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے انہیں سمجھایا نہیں۔ منع نہیں کیا۔ جب انہوں نے پہلی بار شراب پی تھی تو اس وقت اگر انکل فراز اور پھپھو انہیں پیار سے محبت سے سمجھاتے تو وہ ضرور ان کی بات مان لیتے یقیناً" باہر کسی دوست نے انہیں یہ لت لگادی ہوگی لیکن انکل فراز نے پیار سے سمجھانے کے بجائے ڈانٹا ہوگا اور پھپھو' ان کے پاس کہاں اتنا وقت ہوگا ہاں ان کی اپنی مما ہوتیں تو ضرور سمجھاتیں نو سال کی عمر میں ذہن میں بننے والا ارحم کا نقش اتنا مضبوط تھا کہ اسے ارحم کا یہ روپ پسند نہیں آرہا تھا۔ نو سال کی عمر میں پہلی بار اماں اور سحر کے علاوہ کسی نے اس سے اتنی شفقت اور محبت سے بات کی تھی۔ اور وہ ان سترہ سالوں میں کبھی بھی ارحم کو بھول نہیں سکی تھی۔

"عینا بی بی وہ بیگم صاحبہ کا فون آیا ہے آپ لنچ پر ان کا انتظار نہ کریں۔ ڈنر پر ہی آئیں گی۔" حمیدہ نے آکر کہا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" اور اٹھ کر لاؤنج میں آگئی۔ جب سے وہ آئی تھی راحت بیگم لنچ پر کم ہی آتی تھیں۔ بیگم راحت گھر پر نہیں تھیں اگر وہ ارحم کے لیے کھانا بھجوادے یا پھر ان سے کہے وہ کھانا اندر آکر ہی کھالیں تو یوں بھی اکیلے اسے اپنے لیے ٹیبل لگوانا عجیب سا لگتا تھا سو اکثر ہی لنچ گول کرجاتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا انکار کردیں گے تو کردیں۔

"جب انہوں نے کھانا کھانے سے منع کیا ہوگا تو یہاں سے کسی نے اصرار ہی نہیں کیا ہوگا۔" دل میں پختہ ارادہ کرکے وہ اٹھی اور کچن میں آکر رفیق سے کہا۔

"رفیق ارحم صاحب سے جاکر پوچھو وہ لنچ ہمارے ساتھ کریں گے یا انیکسی میں بھجوادوں۔" سلاد بناتے رفیق نے اور برتن سمیٹتی حمیدہ نے بیک وقت حیرت سے اسے دیکھا۔

"بڑے صاحب یہاں نہ ہوں تو ارحم صاحب اندر نہیں آتے۔"

"مگر ایک دو بار وہ نہیں آئے تو آپ لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ کبھی نہیں آئیں گے۔"

"جی ٹھیک ہے' میں پوچھتا ہوں۔" رفیق چھری رکھ کر صافی سے ہاتھ پونچھتا ہوا باہر چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ منہ لٹکائے واپس آگیا۔

"جی ارحم صاحب نے کہا ہے شکریہ مجھے اپنی عادتیں خراب نہیں کرنی۔ تمہاری عینا بی بی نے ہمیشہ

یہاں نہیں رہتا۔" عینا نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ رفیق کندھے اچکاتا ہوا کچن میں چلا گیا۔ وہ کچھ دیر ٹی وی دیکھتی رہی پھر اٹھ کر کچن میں آئی حمیدہ فارغ ہو چکی تھی۔

"بی بی کھانا کب لگاؤں۔"

"نہیں ہاتھ لے کر آتی ہوں، تم پہلے کھانا ارحم صاحب کو بھجوا دو۔۔۔ ویسے کیا پکا ہے۔"

"گوبھی گوشت ہے اور شوربے والا چکن ہے۔ ارحم صاحب کو یہ دونوں بہت پسند ہیں۔" رفیق کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔ "جب وہ باہر نہیں گئے تھے تو فرمائش کرکے گوبھی گوشت پکوایا کرتے تھے۔"

"پر وہ تو اب اپنا ہی پکاتے ہیں انگریزی کھانے ڈبوں میں بند کیے پکائے اور وہ نوڈلز اور اسپیگھٹی وغیرہ۔" حمیدہ نے بھی رائے دینا ضروری سمجھا تھا۔

"ٹھیک ہے نہ کھانا ہوا تو واپس کردیں گے۔ تم بھجوا دو۔" عینا کہہ کر کمرے میں آگئی تھی اور جب وہ لنچ کے لیے آئی تو حمیدہ نے بتایا کہ ارحم صاحب نے کھانا رکھ لیا تھا اور ساتھ ہی دوبارہ بھجوانے سے منع کیا تھا۔ عینا کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"ویسے بیگم صاحبہ ناراض ہوں گی۔" حمیدہ نے پانی کی بوتل ٹیبل پر رکھتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

"تو۔۔۔" عینا نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ضروری ہے کہ تم ساری رپورٹ دو۔ جب تم انہیں یہ نہیں بتاتی ہو کہ تم نے اور رفیق نے دودھ اور جوس کے کتنے گلاس پیے ہیں۔ گیارہ بجے نگٹس تمپورا اور ٹینڈر پوپس اکثر فرائی کرکے کھاتی ہو۔ فروٹ جو آتا ہے اس میں سے آدھا تمہارے کوارٹر میں چلا جاتا ہے تو میرے خیال میں یہ بتانا بھی ضروری نہیں، یوں بھی ارحم بھائی کا اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا پھپھو کا۔" حمیدہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"وہ جی۔۔۔ عینا بی بی۔ وہ تو آج میرا دل گھٹ گیا تھا تو میں نے تمپورا فرائی کیا تھا اور ایک سیب کھا لیا تھا اور دودھ تو جی رفیق پیتا ہے روزانہ۔" عینا نے جواب دیے بغیر اپنی پلیٹ میں سالن ڈالا حمیدہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر شرمندہ شرمندہ سی وہاں سے چلی گئی۔

"ہاں جی صحیح کہتی ہیں آپ، نوکر عیش کر رہے ہیں اور جو گھر کا مالک ہے وہ ابلے ہوئے کھانے کھائے یہ کہاں کا انصاف ہے جی۔" رفیق کا انداز سراسر خوشامدی تھا۔ اس نے توجہ نہ دی۔ وہ یہاں ہمیشہ کے لیے تو نہیں آئی تھی نا۔۔۔ اماں نے بے شک ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ اسے جلد بلا لیں گی، لیکن بہرحال اس نے اپنے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ اسے واپس جانا ہے۔

کھانا کھا کر وہ کمرے میں آئی تو اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ گاؤں سے آنے کے بعد پہلی بار وہ خوشگوار موڈ میں تھی۔ ارحم نے کھانا واپس نہیں کیا تھا۔ ارحم نے کھانا کھا لیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے اچھے موڈ کی وجہ یہ تھی یا کچھ اور لیکن وہ خوش تھی۔ کچھ دیر گانے سننے کے بعد اس نے ایک ناول پڑھنے کے لیے اٹھا لیا۔ پڑھتے پڑھتے وہ سو گئی تھی۔ خواب میں اس نے اماں کو دیکھا۔ وہ چارپائی پر لیٹی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ انہیں بے تابی سے پکار رہی تھی وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھتی تھیں پھر بند کرلیتی تھیں۔ "اماں" اس نے بلند آواز میں پکارا اور ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ شام ہو گئی تھی شاید، پتا نہیں وہ کتنی دیر سوئی تھی۔ اس نے سامنے کلاک کی طرف دیکھا جس کی ریڈیم کی سوئیاں چمک رہی تھیں۔ عصر مغرب دونوں ہی نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ پھر اسے اپنا خواب یاد آیا۔۔۔ خواب میں اس نے اماں کو بیمار دیکھا تھا۔۔۔ وہ پریشان ہو کر کمرے سے باہر نکلی اور لاؤنج میں آکر حمیدہ سے پوچھا۔

"پھپھو آ گئی ہیں۔"

"نہیں جی فون آگیا تھا ان کا ڈنر باہر ہی کریں گی۔"

وہ سر ہلا کر فون اسٹینڈ کی طرف بڑھی وہ اماں سے بات کرنا چاہتی تھی۔ کتنی ہی دیر تک بیل ہوتی رہی کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ تھک کر اس نے ریسیور رکھ

دیا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر فون کر رہی تھی۔ اب کے ثنا نے فون اٹھایا تھا۔

"ثنا اماں سے بات کرواؤ پلیز۔" ثنا دوسری طرف خاموش ہی رہی تو اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"اماں ٹھیک تو ہیں نا ثنا۔"

"کیا ہونا ہے انہیں۔ ہٹی کٹی تو ہیں۔" ثنا کی تیز آواز اسے بہت ناگوار لگی تھی۔ لیکن اس نے عاجزی سے کہا۔

"ثنا پلیز اماں سے بات کروا دو۔"

"وہ تو ادھر احاطے میں دودھ دوہ رہی ہیں۔"

"اچھا تو میں تھوڑی دیر بعد پھر کروں گی پلیز اماں سے کہنا وہ فون کے پاس ہی رہیں، میں نے خواب میں انہیں بیمار دیکھا ہے آج دوپہر۔"

"بھرے پیٹ کے خواب سچے نہیں ہوتے عینا بی بی مرغ پلاؤ ٹھونس کے سوئی ہوگی۔" ماں نے شاید ثنا سے فون لے لیا تھا۔

"تمہاری ماں فارغ نہیں بیٹھی ہوئی کہ سارا وقت فون کے پاس بیٹھی رہے، بہت درد اور فکر ہو رہی ہے تو گھر آ جاؤ مڑ کر۔" انہوں نے زور سے ریسیور کریڈل پر رکھا تھا۔

اگرچہ یہ تسلی ہو گئی تھی کہ اماں بیمار نہیں ہیں، لیکن پھر بھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں وہ کچھ دیر تو یونہی ریسیور ہاتھ میں پکڑے کھڑی رہی پھر یک دم ہی تیز تیز چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر لان میں آگئی تھی۔ اماں سے بات نہیں ہو سکی تھی اور دل بھر آیا تھا۔ آنسو آنکھوں کی حدیں توڑ کر رخساروں پر پھسل آئے تھے۔ وہ رونا چاہتی تھی بہت سارا کھل کر، وہ سر جھکائے لان میں بنی ہوئی مصنوعی پہاڑی کی طرف جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ آنکھوں سے آنسو بھی پونچھتی جا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسے روتے ہوئے دیکھے حمیدہ اور شازیہ اسے روتے ہوئے دیکھتیں تو ضرور بیگم راحت کو بتاتیں اور پھر ان کا لیکچر۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ سحر آپی کی طرح بن جائے بہادر اور بولڈ۔

وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر پہاڑی کے پیچھے پڑے پتھر پر جا کر بیٹھ گئی تھی اور گھٹنوں پر سر رکھ لیا تھا۔ فوارے کی منڈیر پر پاؤں لٹکائے بیٹھے ارحم نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے اس وقت کہاں جا رہی تھی۔ وہ اندھیرے میں تھا جب کہ پورچ کی لائٹ کی روشنی لان میں جا رہی تھی۔ جب وہ پہاڑی کی طرف مڑی تو اس نے دیکھا وہ رو رہی تھی اور ہاتھوں کی پشت سے آنسو بھی پونچھتی جاتی تھی۔

"یہ اسے کیا ہوا۔" ایک لمحہ کے لیے اس نے سوچا اور پھر سر جھٹک کر اپنے موبائل کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ دسمبر کے ان اولین دنوں میں اس وقت خاصی خنکی تھی۔ دن چھوٹے تھے اس لیے ابھی سات بھی نہیں بجے تھے، لیکن آسمان تاریک تھا اور اکا دکا ستارے بھی چمک اٹھے تھے۔ پچھلے کچھ عرصہ سے گرم علاقے میں رہنے کی وجہ سے یہ خنکی اسے اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ نیٹ پر مصروف رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ فون جیب میں ڈال کر اس نے مصنوعی پہاڑی کی طرف دیکھا کیا وہ ابھی تک وہاں ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

وہ غیر ارادی طور پر پہاڑی کی طرف بڑھا وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی ساکت کھڑا اس کی سسکیاں سنتا رہا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے لیکن وہ اس کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ ماضی کا ہر رشتہ اور حوالہ وہ بھلا چکا تھا۔

"سنیں۔" اس نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔ عینا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کے رخسار بھیگے ہوئے تھے اور پلکوں پر اب بھی آنسو اٹکے ہوئے تھے۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں اس طرح۔" اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں اور زمین پر پڑے پتھر کے چھوٹے سے ٹکڑے کو اپنے بوٹ کی ٹو سے ادھر ادھر کر رہا تھا۔

"ویسے ہی۔" اس نے جلدی جلدی دونوں ہاتھوں

سے چہرہ صاف کیا اور کھڑی ہو گئی۔ اور دوپٹے کے پلو سے چہرہ پونچھنے لگی۔

"ایسے ہی بلاوجہ تو کوئی نہیں روتا۔" اس کے لبوں سے نکلا۔

"وہ دراصل اماں بہت یاد آرہی تھیں۔" اس نے کپڑے جھاڑے۔ ارحم نے اس کی طرف دیکھا اور بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکل گیا۔

"آپ تو کبھی اماں کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہتی تھیں پھر کیوں چھوڑ کر آگئیں شاید۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور عینا کو حیرت ہوئی تو اسے سترہ سال پہلے کی کہی ہوئی ــــ بات یاد تھی۔ جب اس نے کہا تھا وہ اماں کو کبھی بھی اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔

"میں اب بھی اماں کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہتی تھی، لیکن اماں نے خود ــــ خود مجھے زبردستی بھیج دیا اور ماں میری ان سے بات بھی نہیں کرواتیں۔" اس کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"کیوں تاکہ آپ کی پھپھو صاحبہ آپ کی بھی کسی امیرزادے سے شادی کروادیں۔" اس کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"نہیں ــــ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اماں نے ایسی کوئی بات بالکل بھی پھپھو سے نہیں کی۔ وہ تو اور ہی مسئلہ تھا کچھ اور ہی ــــ اماں مجھے ــــ" وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھر رونے لگی تھی۔

"خیر جو بھی مسئلہ تھا اب آپ اندر جائیں۔ یہاں اس وقت گھاس پر بیٹھ کر رونے کے بجائے اپنے کمرے میں جاکر روئیں۔ گھاس میں زہریلے کیڑے مکوڑے بھی ہوسکتے ہیں۔" وہ ایک دم واپس مڑا تھا۔

"ارحم بھائی پلیز۔ ایک منٹ ــــ ایک منٹ میری بات سن لیں۔" جلدی جلدی دوپٹے سے چہرہ پونچھتی ہوئی وہ اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"یہاں آپ کی پھپھو محترمہ نے مجھے آپ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن میری فرد جرم میں ضرور اضافہ ہوجائے گا۔" ارحم کو اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ اس نیم تاریکی میں اسے عینا کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر بیگم راحت کا ردعمل کیا ہوسکتا ہے۔ عینا وہیں ٹھہر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"غیر ممالک میں انسان مشین بن جاتا ہے۔ کام کرنے کی مشین۔ بس آنکھیں انسانوں کی سی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں انتظار ہوتا ہے بہت سارا اپنے پیاروں سے ملنے کا۔ اچھے دنوں کا اور سال کے طویل لمبے اور بے تکان دنوں کے گزر جانے کا، لیکن میری آنکھوں میں تو انتظار کے دیپ بھی نہیں جلتے چاچا۔ مجھے سال کے طویل دنوں کے گزر جانے کا انتظار بھی نہیں ہوتا۔ میرے دن تو یونہی گزرتے ہیں بے مقصد ایک روبوٹ کی طرح۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر خدا بخش کی طرف دیکھا تو خدا بخش جیسے تڑپ گیا۔

"آپ یہاں کیوں نہیں آجاتے ارحم بیٹا۔ ہمیشہ کے لیے۔ کیوں دوسروں کی غلامی کرتے ہیں۔"

"یہ سب کارخانے فیکٹریاں کس کی ہیں۔ پھر اپنا ملک اپنے لوگ۔"

"کون اپنے لوگ۔" اس کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"یہ میرا باپ فراز خان میرا بھائی صائم خان اور میری سوتیلی ماں بیگم راحت فراز خان۔ یہ سب میرے اپنے لوگ، کیا کیا انہوں نے میرے ساتھ آپ نہیں جانتے کیا۔ بیگم راحت خان تو خیر غیر تھیں سوتیلی تھیں، لیکن فراز خان کیا انہوں نے میری بات کا یقین کیا بھروسہ کیا مجھ پر ــــ جنہوں نے مجھے کبھی اکیلا نہ چھوڑنے کا عہد کیا تھا۔ مجھے نہ صرف اکیلا چھوڑ دیا بلکہ مجھے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیا یہ کہہ کر کہ ان کا صرف ایک بیٹا ہے۔ اور وہ صائم جو میری محبت کا دم بھرتا تھا اور جو کہتا تھا میں سگے سوتیلے کو نہیں جانتا مجھے صرف یہ پتا ہے کہ میرا ایک بھائی ہے ارحم خان

اس نے بھی میری گواہی نہیں دی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ مجھے یقین تھا وہ کہے گا ارحم میرا بھائی ہے وہ ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں، لیکن اس نے نظریں چرالی تھیں چاچا اس نے میری طرف نہیں دیکھا جب مجھے اس کی ضرورت تھی تب اس نے نظریں پھیرلی تھیں اور اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں اور اس نے اپنی آواز کی بھراہٹ پر بمشکل قابو پایا تھا۔

"معاف کردو بیٹا انہیں اپنے باپ کو اپنے بھائی کو ناراضی ختم کردو اب ــــ"

"میں کبھی ان سے ناراض تھا ہی نہیں چاچا تو معافی کیسی ــــ بس دکھ ہے مجھے جو یہاں گڑا ہے اندر میرے سینے میں۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔ "اور یہ دکھ کم ہونے میں نہیں آتا۔

ہر روز جب صبح میں اٹھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ آج اس دکھ کی شدت کم ہوگی، لیکن اسے پہلے سے بھی سوا پاتا ہوں ــــ یہ غم مجھے اندر ہی اندر کھاتا جارہا ہے کہ انہوں نے میرا یقین نہیں کیا میرا اعتبار نہیں کیا۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"چاچا پلیز اب جائیں آپ پھر اگر صائم کا فون آئے تو کہہ دیجیے گا کہ میں اس کے آنے تک نہیں رک سکتا مجھے واپس جانا ہے چند دنوں تک ہوسکتا ہے میں ڈیڈی کا بھی انتظار نہ کروں۔" اور خدا بخش سر جھکائے باہر چلا گیا۔

پتا نہیں کیوں بار بار زخموں کے ٹانکے ادھڑ جاتے تھے۔ وہ تو خدا بخش کو تسلی دینا چاہتا تھا۔ جو اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے اداس تھا جو سالوں بعد پردیس سے آتا تھا۔ اور بات کہاں سے کہاں نکل آئی تھی۔ وہ اسے پردیس میں رہنے والوں کا احوال بتاتے بتاتے اپنے ہی زخموں کو کھرچ بیٹھا تھا۔ خدا بخش نے اسے صائم کے فون کا بھی بتایا تھا کہ اس کی چھٹیاں ہونے والی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ ارحم اس کے آنے تک وہاں ضرور رکے۔ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے بارہ سالوں سے وہ ایک دوسرے سے نہیں ملے تھے۔ چھ سال پہلے جب وہ یہاں آیا تھا تو صائم یوکے جاچکا تھا اور دو سال پہلے بھی جب وہ یہاں ایک ماہ رہ کر گیا تھا تو صائم یورپ کہیں اپنی چھٹیاں گزار رہا تھا۔

ان ہواؤں میں یہ کیسی تاثیر ہے کہ جب بھی آؤں یہ قدم باندھ لیتی ہیں۔

کیا کررہا ہوں میں یہاں ــــ اور کیوں؟ اس نے خود سے پوچھا اور اٹھ کر فریج سے ایک ٹن نکال کر کھولا اور گلاس میں ڈال کر ہاتھ میں پکڑے گلاس میں موجود مشروب کو دیکھتا رہا۔ پھر فریزر کھول کر برف کی کچھ کیوبز گلاس میں ڈال کر گلاس ہاتھ میں پکڑے پکڑے باہر لان میں آگیا۔ اور سنگی بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے گیٹ سے اندر آتی بیگم راحت کی گاڑی کو دیکھا اور پھر گاڑی سے اترتی عینا اور بیگم راحت پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر گھونٹ گھونٹ کرکے ٹھنڈا مشروب پینے لگا۔ پتا نہیں کیوں اسے لگا تھا جیسے گاڑی سے اتر کر اندر جاتے ہوئے عینا نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

اور یہ عینا جلال تھی۔ وہ معصوم سی کیوٹ سی بچی جو کہتی تھی اسے اگر کسی جنگل میں کسی جھونپڑی میں بھی رہنا پڑے تو وہ اپنی ماں کے ساتھ رہنا پسند کرے گی اور اپنی پھپھو کے اس اتنے بڑے آسائشوں سے بھرے گھر میں رہنا نہیں چاہے گی لیکن اب وہ یہاں رہ بھی رہی تھی اور روتی بھی تھی۔

ایک طنزیہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور ٹھنڈا یخ مشروب اس نے ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتارا۔

تو مجھے صبح یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

چھٹیوں کے سات ہفتے باقی تھے اور یہ سات ہفتے پچھلے کئی سالوں کی طرح اب آوارگی میں ہی گزرنے تھے۔ کہاں جائے۔ فرانس نیویارک' آئرلینڈ کہیں بھی آوارگی کی تو کوئی منزل نہیں ہوتی۔

یہ گھر میرا ہے جہاں میں نے جنم لیا اور جہاں میری زندگی کے بہت سے سال گزرے۔

اس نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ خدا بخش نے گیٹ کی لائٹس

جلادی تھیں۔

"لیکن یہاں اس گھر میں بھی میرا جی نہیں لگتا۔ جیسے یہاں اس بھری دنیا میں کوئی بھی میرا اپنا نہ ہوا بھی شاید کوچہ گردی اور دربدری باقی ہے۔"

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ کاش وہ بہت زیادہ رولیتا۔ اتنا کہ اندر باہر جلتی آگ کی تپش کم ہوجاتی۔ لیکن آنسو تو بارہ سال پہلے اس سے ایسے روٹھے تھے کہ تب سے آنکھیں خشک صحرا بنی ہوئی تھیں۔ بارہ سال پہلے شاید وہ آخری بار رویا تھا ___ پوری رات وہ روتا رہا تھا۔ اکیلا تنہا اور کسی نے اس کے آنسو نہیں پونچھے تھے۔ اس سے پہلے وہ جب جب رویا۔ ممی کی ڈیتھ پر ان کے بعد جب بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آئے ڈیڈی اس کے پاس تھے اس کے آنسو پونچھنے کے لیے لیکن اس رات ڈیڈی اس کے پاس نہیں تھے۔ وہ تڑپ تڑپ کر رویا تھا لیکن کسی نے اس کے آنسو نہیں پونچھے تھے۔ کوئی ہاتھ آگے نہیں بڑھا تھا اسے گلے لگانے اور پیار کرنے کو۔

ایک دم ہی ہوا میں موجود خنکی بڑھ گئی تھی۔ وہ بلو جینز اور سفید کاٹن کی شرٹ پہنے ہوئے تھا جس کی آستینیں اس نے پیچھے رول کررکھی تھیں لیکن اسے سردی محسوس نہیں ہورہی تھی۔ ہوا کی خنکی اسے اچھی لگ رہی تھی۔ گیارہ سال یورپ کے ٹھنڈے موسموں میں گزار کر اب ایک سال سے وہ یو۔ اے۔ ای کے تپتے صحراؤں کی خاک چھان رہا تھا۔ اور اب وسط دسمبر کی اس رات کی خنکی اور ٹھنڈک اسے بے حد سکون دے رہی تھی۔ اس نے آنکھیں موند کر سر بینچ کے ساتھ ٹکالیا اور بہت سارے مناظر اس کی بند آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔

وہ اس کی اولین محبت تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی۔ سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس جس پر نقرئی ستاروں اور روپہلے دھاگوں سے خوب صورت کڑھائی کی ہوئی تھی اور وہ یہاں ہی لان میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کے دوپٹے پر دور دور موجود ___ ستارے لمحہ بھر بعد دمکتے تھے۔

"چاندنی۔" اس کے لبوں سے سرگوشی کی طرح نکلا تھا۔ اور وہ بنا کچھ کہے یوں ہی مسکراتی ہوئی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ منظر پھر بدلا تھا۔

وہ اس کے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ نکلا تھا وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ کبھی کبھی چور نظروں سے اسے دیکھ لیتا تھا۔

"کاش زندگی بھر میں یونہی تمہارے سنگ رہوں۔" وہ کہہ رہی تھی اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسا ہی ہوگا ہم ہمیشہ ساتھ ہی رہیں گے چاندنی عمر بھر۔ آخری سانس تک۔" وہ اسے چاندنی ہی کہتا تھا۔ محبتوں کے اظہار میں وہ اس کے مقابلے میں زیادہ بے باک تھی۔

پہلی بار محبت کا اظہار بھی اس نے کیا تھا وہ تو سوچتا ہی رہ گیا تھا کہ کیسے کس طرح اس سے کہے کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔ اس کی صبحیں اور شامیں اس کے دن اور راتیں سب اس کے تصور میں گزرتے ہیں۔ وہ تو سوچتا ہی رہا تھا لیکن اس نے اسے I Love You کا خوبصورت کارڈ گفٹ کردیا تھا۔ وہ جذبوں کے اظہار میں بخل نہیں کرتی تھی۔ اس کے پاس اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے خوبصورت لفظ تھے۔

"ارحم مجھے لگتا ہے جیسے میں ازل سے تمہاری تھی۔ اللہ نے مجھے تمہارے لیے ہی پیدا کیا ہے۔" کبھی وہ کہتی "ارحم مجھے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی تم اجنبی نہیں لگے۔ جیسے میں جنم جنم سے تمہیں جانتی ہوں۔

مجھے کبھی مت چھوڑنا ارحم میں مرجاؤں گی۔ میں تمہارے بغیر ایک لمحہ بھی سانس نہیں لے پاؤں گی۔" اور وہ سانس لے رہی تھی زندہ تھی اور خوش تھی۔

منظر پھر بدلا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے شالامار باغ میں گھوم رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"شہزادیاں اور ملکائیں مجھ سے زیادہ خوش قسمت تو نہیں ہوں گی ارحم۔ میرے ساتھ تم ہو۔ تمہاری محبت ہے۔"

"اور شہزادے اور بادشاہ بھی مجھ سے زیادہ خوش قسمت نہیں ہوں گے چاندنی کہ میرے ساتھ تم ہو اور ہمیں ہمیشہ ساتھ رہنا ہے اور زندگی کا سفر اکھٹے طے کرنا ہے۔" پھر ایک اور منظر۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی سر جھکائے۔

"میں بہت مجبور ہوں ارحم۔ میری زندگی کی ڈور کسی اور کے ہاتھوں میں ہے۔ میں کچھ نہیں کرسکتی ارحم۔"

"تم کچھ بھی مت کرو چاندنی جو کچھ کرنا ہے میں کروں گا۔ میں خود بات کروں گا ڈیڈی سے مما سے۔ اور مجھے یقین ہے وہ میری بات رد نہیں کریں گے۔ کم از کم ڈیڈی کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتے۔" اس کا یقین تو صحیح تھا لیکن وہ جس زمین کے لیے جنگ کرنا چاہتا تھا وہ زمین تو اس کی تھی ہی نہیں۔ کس قدر بے وقوف تھا وہ جسے اپنا سمجھتا تھا وہ کبھی اس کی اپنی تھی ہی نہیں۔ ایک اور منظر بند آنکھوں کے سامنے آیا۔

وہ رو رہا تھا اتنا لمبا چوڑا چھ فٹ کا مرد آنسوؤں سے رو رہا تھا اور وہ رخ موڑے کھڑی تھی۔

"میرا یقین کرو چاندنی یہ سب۔ جھوٹ ہے غلط ہے میرے تین سال کا ہر لمحہ تمہارے سامنے ہے میں نہیں جانتا یہ سب کس نے کیا۔ کس نے میرے کمرے میں یہ بوتلیں رکھیں۔ کون ہے اس گھر میں میرا دشمن۔"

"کون ہوسکتا ہے؟" اس نے رخ اس کی طرف کیا۔ اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تمہارے ڈیڈی۔ تمہارا بھائی' ممی آخر ان تینوں میں کون تمہارا دشمن ہوسکتا ہے۔ ایم سوری ارحم میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔ مجھے ڈرنک کرنے سے نفرت ہے۔ میں کسی ایسے شخص سے شادی نہیں کرسکتی جس کے کمرے میں شراب کی بوتلیں ہوں اور جو گھر والوں کو دھوکا دے کر شراب پیتا ہو۔ میں تم سے محبت کرتی تھی۔ بلکہ عشق تھا مجھے تم سے۔ اور میں آخری حد تک تمہارا ساتھ دینے کو تیار تھی۔ لیکن اب نہیں۔ اب نہیں ارحم۔"

"کیا محبت صرف اتنی سی بات پر ختم ہوسکتی ہے۔" اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"غلطی میری نہیں تمہاری ہے ارحم۔ اب اگر میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں تو مجھے الزام مت دینا۔ تمہارے جیسے کمزور اخلاق کے شخص کے ساتھ اماں ماموں کوئی بھی شادی پر رضامند نہ ہوں گے۔"

وہ چلی گئی تھی۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی سماعتوں اور اپنی بصارتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

نہیں یہ چاندنی نہیں ہوسکتی۔ وہ تو اس کی محبت میں پاگل تھی اور اسے بھی پاگل کررکھا تھا۔ اور محبت تو اعتماد کا بھروسے کا یقین کا نام ہے۔ اور پھر محبت میں تو محبوب کا غلط بھی صحیح لگتا ہے پھر۔

"ارحم صاحب آپ اتنی سردی میں باہر بیٹھے ہیں اور پھر آپ نے کوئی جرسی وغیرہ بھی نہیں پہنی ہوئی۔" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا خدا بخش مدھم روشنی میں کچھ فاصلے پر کھڑا پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جارہا ہوں چاچا پلیز آپ پریشان نہ ہوں۔" موٹی گرم چادر لپیٹے ہوئے بھی خدا بخش ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"میں گرم دودھ میں شہد ڈال کر لادیتا ہوں۔"

"نہیں چاچا میں ابھی جاکر کافی پی لوں گا۔"

اور خدا بخش ایک بار پھر اسے باہر نہ بیٹھنے کی تاکید کرتا ہوا اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

اس کی اولین محبت نے اسے مار ڈالا تھا کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ کسی ایک جگہ کسی ایک چھاؤں میں بیٹھنے نہ دیا۔ اس کے پاؤں کے تلوؤں میں ابھی تک اس کے غم کے دیے ہوئے کانٹے چبھے تھے کاش وہ اسے اپنے

دل و دماغ سے نکال کر دوبارہ اپنی تاریخ مرتب کر سکتا۔ کیسے لے آؤں وہ دن جو گزر گئے واپس اپنے محور پر۔ کاش میں وقت کو پلٹنے پر قادر ہوتا۔

وہ بینچ کی پشت سے ٹیک لگائے ایک بار پھر گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم بہت اداس ہو۔ کیا بات ہے۔" عینا کے گلاس میں جوس ڈالتے ہوئے بیگم راحت نے بغور اسے دیکھا تو عینا نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"جی۔ بس۔۔۔ وہ" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اماں یاد آ رہی ہیں۔"

اس نے سر ہلا دیا لیکن نہ جانے کب کے رکے ہوئے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

"زندگی ایسے نہیں گزر سکتی میری جان یوں رو دھو کر، سحر بھی تو تھی نا کیسے خوش رہتی تھی یہاں اور زندگی کو انجوائے کرتی تھی۔ اور اب دیکھو ایک بہترین زندگی گزار رہی ہے۔"

"جی۔ لیکن میں اس سے پہلے کبھی اماں سے الگ نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک نہ ایک دن تو لڑکیوں کو گھر چھوڑنا ہی ہوتا ہے۔ تم یہاں نہ آتیں تو شادی تو ہونا تھی تمہاری۔"

بیگم راحت کا انداز سمجھانے والا تھا۔ وہ سر جھکائے ہونٹ کاٹتی رہی۔

"میں نے کہا تھا تمہیں روز فون کر لیا کرو۔"

"کرتی ہوں پھپھو لیکن مامی روز بات نہیں کرواتیں۔"

"ایک تو یہ تمہاری ماں کی انا کی مجھے سمجھ نہیں آتی وہاں بھابھی کے جوتے کھالے گی لیکن یہاں نہیں آئے گی۔" بیگم راحت کو غصہ آگیا تھا۔

"جلال بھائی کے بعد کتنی منتیں کی تھیں کہ میرے ساتھ چلیں۔ اس اتنے بڑے گھر میں کیا تین بندوں کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن۔۔۔"

بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے عینا کی طرف دیکھا جس کے آنسو ایک بار پھر رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

"دیکھو میری جان تم کوئی چھوٹی بچی نہیں ہو، چھبیس سال کی ہو رہی ہو۔ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم جانتی ہو۔ وہاں تمہاری عزت محفوظ نہ تھی۔ مونا بھابھی نے اچھا کیا جو مجھے بتا دیا۔ خیر۔۔۔"

انہوں نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

"دو چار دن میں تمہاری یونیورسٹی اسٹارٹ ہو جائے گی۔ ماسٹر کر لو گی تو رشتہ بھی اچھا مل جائے گا۔ آج کل ہر کوئی ایجوکیٹڈ لڑکیاں مانگتا ہے۔ ماسٹر ہو کسی بھی مضمون میں ہو۔ خیر بیگم راحت فراز خان کی بھتیجی کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم ماسٹر کر لو فارغ نہ بیٹھو۔"

"جی" اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"چلو اب اپنا ناشتا ختم کرو عینا۔ اور یہ چھوٹے بچوں کی طرح ہر وقت اماں کو یاد کر کے رونا بند کرو۔"

انہوں نے اپنے لیے بنائی چائے کا کپ اپنی طرف کھسکایا۔ اور دو تین گھونٹ بھر کے کھڑی ہو گئیں۔

انہوں نے دو انگلیوں سے اس کے رخسار سہلائے۔

"تم مجھے بہت پیاری ہو عینا۔ اس لیے کہ تم جلال بھائی اور مونا بھابھی کی بیٹی ہو۔ تم جانتی ہو نا۔ اماں اور ابا کی وفات کے بعد گھر کا کنٹرول بڑی اماں اور بڑے بھائی کے ہاتھ میں تھا اور وہ سوتیلے تھے۔ اور ان کا سلوک ہم دونوں کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ ہم دونوں بہن بھائیوں نے بہت سارے مشکل دن کاٹے پھر جلال بھائی نے تعلیم ختم ہوتے ہی سب سنبھال لیا۔ بڑے بھائی بھی ان سے ڈرتے تھے۔ پھر تمہاری اماں تھیں جو مجھ سے صرف چند سال بڑی تھیں لیکن انہوں نے ماں کی طرح میرا خیال رکھا جب ان کی شادی نہیں ہوئی تھی تب بھی جب بڑی اماں بڑی بھابھی یا بلال بھائی کچھ

کہتے تو میں اس کے پاس جاتی تھی۔ تو میری جان بہت قرض ہیں مجھ پر تمہاری ماں اور جلال بھائی کے۔"

"جی۔" وہ ان کی محبتوں کی معترف تھی۔

"او کے پھر چلتی ہوں۔" وہ ایک بار پھر اس کا رخسار تھپتھپا کر چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے فوراً" بعد ہی وہ صرف گلاس میں بچا جوس پی کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ باہر لان میں آگئی۔ ہلکے ہلکے بادل تھے اور دھوپ بے حد مدھم تھی۔ اس نے ہلکی سی شال لے رکھی تھی۔ اسے کھلے لان میں کچھ وقت گزارنا پسند تھا ورنہ اندر بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے اوب جاتی تھی۔ وہ لان میں ٹہلنے لگی۔

"کیا پتا اس وقت اماں سے بات ہو جائے۔" وہ واپسی کے لیے مڑی تب ہی اس کی نظر بینچ کے پیچھے پڑی تھی کوئی نیچے لیٹا ہوا تھا۔

"چاچا۔ چاچا۔"

اس نے مڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا اور اونچی آواز میں پکارا۔ خدا بخش گیٹ پر نہیں تھا۔ لیٹے ہوئے شخص نے ذرا سا سر اٹھایا تھا اور کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"ارحم بھائی۔ ارحم بھائی کیا ہوا آپ اس طرح یہاں کیوں لیٹے ہوئے ہیں۔" وہ راحت بیگم کی ہر بات بھول کر زمین پر اس کے قریب بیٹھی اسے بلا رہی تھی۔ اس نے پریشانی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ اور ہلایا۔ اسے لگا جیسے اس نے انگارے کو چھو لیا ہو۔ گھبرا کر اس نے ہاتھ ہٹا لیا اور لحہ بھر یونہی وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی شرٹ بھیگی ہوئی تھی۔ غالباً" رات میں تھوڑی بہت بارش بھی ہوئی تھی۔ لان کی گھاس بھیگی ہوئی تھی اور وہ بخار میں مدہوش یہاں پڑا تھا۔ پتا نہیں کب وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا اور کب یہاں آ کر لیٹ گیا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا۔ پیشانی بھی آگ کی طرح تپ رہی تھی۔

اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بے ہوش تھا یا گہری نیند میں تھا۔ اس کے لبوں سے ایک کراہ نکلی تھی اور پھر خاموشی۔ وہ ایک قدم کھڑی ہو گئی اور تقریباً" بھاگتی ہوئی خدا بخش کے کوارٹر میں آئی۔

خدا بخش سامنے چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ پاس ہی ناشتے کے برتن پڑے تھے۔

"چاچا۔ چاچا پلیز جلدی آئیں وہ ارحم بھائی لان میں بے ہوش پڑے ہیں۔"

اور پھر رکے بغیر اسی طرح بھاگتی ہوئی واپس ارحم کے پاس آئی تھی اور اس کے پاس زمین پر بیٹھتے ہوئے اسے بے تابی سے پکارنے لگی تھی۔ خدا بخش بھی تقریباً" دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

"او میرے خدا لگتا ہے ارحم صاحب ساری رات باہر ہی بیٹھے رہے ہیں۔"

خدا بخش ارحم کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے پکارنے لگا۔

"چاچا انہیں بہت تیز بخار ہے اور یہ بے ہوش ہیں۔ اللہ کے لیے انہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔ یا ڈاکٹر کو بلا لائیں۔ لیکن پہلے انہیں انیکسی میں لے چلیں۔ یہاں کتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔" عینا نے گھبراہٹ میں خدا بخش کا بازو جھنجوڑ ڈالا تو خدا بخش چونک کر کھڑا ہو گیا۔

ارحم کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے اور اس کا جسم وقفے وقفے سے کانپ رہا تھا۔

پھر خدا بخش تقریباً" بھاگتا ہوا گیٹ تک گیا تھا اور چیخ کر کسی نوردین کو آواز دی تھی۔ تب ہی نوردین آگیا تھا اور نوردین کی مدد سے خدا بخش نے پہلے تو ارحم کو انیکسی میں پہنچایا تھا اور پھر خود ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا تھا۔

عینا بے بسی سے اس کے بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت بھی ہلکی نیلی ہو رہی تھی۔ وہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی رنگت سنولا گئی تھی پیشانی پر لکیریں پڑی تھیں۔ پتا نہیں کتنا اوکھا اور مشکل وقت گزارا ہے انہوں نے گھر سے ــــــ دور۔ وہ بے حد دکھ سے اسے دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

www.paksociety.com

یہاں آنے کے بعد کل پہلی بار اس کی صائم سے بات ہوئی تھی۔ اس نے اس کے یہاں آکر رہنے پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"اچھا ہے تمہارے آنے سے مما کو بھی کمپنی مل جائے گی۔" وہ ایک لمحہ کو چونکی تھی وہ اس سے دو سال چھوٹا تھا لیکن اسے تم کہہ کر بلا رہا تھا۔ لیکن شاید وہ جس ماحول میں رہ رہا تھا وہاں ایسی باتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

"اور تم اتنے سالوں سے باہر کیا کر رہے ہو۔ پھپھو تمہیں بہت مس کرتی ہیں آجاؤ۔"

"یار میں اپنی خوشی سے تھوڑی رہ رہا ہوں۔ بس ایک سال کی بات ہے پھر تعلیم مکمل کرکے واپس۔ ویسے مما جب مجھے مس کرتی ہے تو ٹکٹ کٹا کر پہنچ جاتی ہیں یہاں۔"

وہ ہنسا تھا۔ وہ اتنی بے تکلفی سے بات کر رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اس سے بات کرتا رہا ہو۔

"اف" ارحم سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

ارحم نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں لیکن اس کے ہونٹ ہل رہے تھے شاید وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے دھیان سے سننے کی کوشش کی۔ اس کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا چاندنی۔ میری زندگی میں خزائیں بکھیر دیں۔" وہ بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا۔ کوئی کوئی لفظ عینا کو سمجھ آتا اور کوئی باوجود کوشش کے بن نہیں پاتی تھی۔

"میں۔ تمہیں پانے کی چاہ میں راکھ ہو گیا ہوں چاندنی میں نے پھر بھی تمہیں ہی چاہا۔"

تو حمیدہ نے صحیح کہا تھا اس لڑکی کا نام چاندنی تھا جس سے ارحم بھائی نے محبت کی تھی اور سحر آئی۔۔۔

ایک بار اسے پھر سحر کا خیال آیا تھا لیکن اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اور ارحم پر نظر ڈالی جو ہوش و خرد سے بے گانہ پڑا تھا۔ تب ہی خدا بخش چاچا کسی ڈاکٹر کے ساتھ آیا تھا۔ ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد فوراً" اسپتال لے جانے کے لیے کہا۔

"نمونیے کا شدید اٹیک ہوا ہے۔ ان کو اسپتال لے جانا ضروری ہے۔"

اس نے پریشانی سے خدا بخش کی طرف دیکھا۔

"بیگم صاحبہ تو گھر نہیں ہیں۔ صاحب بھی ملک سے باہر ہیں۔" خدا بخش ڈاکٹر کو بتا رہا تھا۔ "ڈرائیور بیگم صاحبہ کے ساتھ گیا ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں چاچا میں اسپتال سے ایمبولینس بھجواتا ہوں۔" ڈاکٹر غالباً" ان کا جاننے والا تھا۔ اس نے وہاں سے فون کرکے ایمبولینس بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ اور خود ارحم کو کوئی انجکشن لگانے لگا تھا۔

وہ جو ڈاکٹر کے آنے پر ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ ابھی تک کھڑی تھی۔ ڈاکٹر جو اس کا ٹمپریچر چیک کر رہا تھا اس نے مڑ کر عینا کی طرف دیکھا۔

"آپ بیٹھیں بھابھی پلیز اور پریشان نہ ہوں۔"

"جی یہ ٹھیک تو ہو جائیں گے نا۔" اس نے اس کے جملے پر غور نہیں کیا تھا وہ ارحم کو دیکھ رہی تھی جو بہت مشکل سے سانس لے رہا تھا۔

"ان شاء اللہ!" ڈاکٹر مسکرایا۔

"لیکن یہ۔ یہ ان کا سانس اکھڑ رہا ہے۔" وہ گھبرا گئی۔ اسے یاد تھا جب ابا بیمار تھے تو ایسے ہی اکھڑے اکھڑے سانس لیتے تھے۔

"ٹھنڈ سے پھیپھڑے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔" اسے تسلی دے کر ڈاکٹر پھر ارحم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ایمبولینس آگئی تھی لیکن ارحم بدستور بے ہوش تھا اور اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔

"عینا بیٹی وہ میں۔۔۔" خدا بخش نے بے بسی سے عینا کی طرف دیکھا۔ "میں اگر ارحم صاحب کے ساتھ چلا گیا تو ادھر گیٹ پر کون ہوگا۔ آپ۔۔۔"

"ہاں میں چلی جاتی ہوں۔" عینا بنا سوچے سمجھے ایمبولینس کی طرف بڑھ گئی۔

"رفیق سبزی لے کر آتا ہے تو میں آجاؤں گا یا اسے بھیج دوں گا۔" خدا بخش نے اسے کہا تو اس نے صرف سرہلا دیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں چاچا میں ہوں نا۔" ڈاکٹر خالد نے خدا بخش کو تسلی دی۔

نم آنکھوں کے ساتھ وہ ایمبولینس میں بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر خالد کی نظریں اس کے پاؤں پر پڑی تھیں جن میں گھر پہننے والے چپل تھے۔ اور کپڑے بھی یقیناً" گھر میں پہننے والے ہی تھے۔ اس نے صرف ایک ہلکی سی شال لے رکھی تھی۔

"اپنا یار لکی ہے۔" ڈاکٹر خالد کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

✡ ✡ ✡

عینا بیڈ سے کچھ فاصلے پر پڑے صوفے پر بیٹھی تھی۔ ایک طرف اسٹول پر رفیق بیٹھا ہوا تھا۔ ارحم آنکھیں بند کیے لیٹا تھا اور اس کی سانس بھی پہلے سے کافی بہتر تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی اسے کمرے میں منتقل کیا گیا تھا۔ شام ہو گئی تھی۔ صبح سے شام تک ارحم کی زندگی کے لیے مسلسل دعائیں کرتے کرتے اس کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر خالد جتنی بار بھی اس کے پاس آئے تھے اس کے ہونٹوں کو مسلسل ہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ صبح سے یہاں تھی اور پتا نہیں اس نے کچھ کھایا بھی تھا نہیں۔ ملازم لڑکا رفیق آتو گیا تھا شاید کچھ کھانے کو لایا ہو۔ ڈاکٹر خالد کینٹین میں چائے کے لیے فون کرکے کمرے میں آئے تو وہ صوفے پر اس طرح بیٹھی تھی اور زیر لب دعا مانگ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ نے صبح سے کچھ کھایا نہیں۔"

وہ یکدم بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ بس۔۔۔ یہ ٹھیک ہیں نا اب۔"

"اللہ کا شکر ہے کافی بہتر ہے۔" ڈاکٹر خالد نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"لیکن یہ ابھی تک بے ہوش کیوں ہیں۔ انہیں کب ہوش آئے گا۔ پلیز مجھے صحیح بتائیں ٹھیک تو ہو جائیں گے۔"

"یہ بے ہوش نہیں ہے۔ نیند آور دواؤں کے زیر اثر سو رہا ہے۔ اور ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر خالد نے مسکرا کر کہا۔

"آپ بیٹھیں پلیز؟"

"نہیں میں اب گھر جاؤں گی؟"

"آپ گھر ضرور جائیں ریلیکس ہو کر آجائیے گا پھر بلکہ ابھی ایک کپ چائے پی لیں۔"

"نہیں شکریہ میں بس اب گھر جاؤں گی۔" وہ بے حد گھبرائی سی کھڑی تھی صبح سے اب تک اسے بیگم راحت کا خیال نہیں آیا تھا لیکن اب وہ ڈر رہی تھی۔ پھپھو آنے والی ہوں گی۔ کبھی کبھار وہ لیٹ بھی ہو جاتی تھیں لیکن زیادہ تر وہ مغرب سے پہلے لوٹ آتی تھیں۔ اور مغرب ہونے والی تھی۔ پھپھو ضرور اسے ڈانٹیں گی کتنی سختی سے انہوں نے منع کیا تھا ارحم سے بات کرنے کو اور وہ صبح سے اب تک ارحم کے ساتھ تھی یہاں اسپتال میں اور اس نے پھپھو کو بتایا بھی نہیں تھا۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے رفیق کی طرف دیکھا۔

"رفیق مجھے گھر چھوڑ آؤ۔"

رفیق کھڑا ہو گیا۔

"آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ اس گدھے نے آپ کو بتایا نہیں کہ یہ میرا یار غار ہے۔ یہ ذرا حواس میں آجائے تو اس کی خبر تو میں لیتا ہوں۔ نہ آنے کی اطلاع دی اور نہ۔۔۔"

اس نے ڈاکٹر خالد کی پوری بات دھیان سے سنی ہی نہیں اور رفیق کے ساتھ باہر آگئی۔ اس وقت وہ صرف راحت بیگم کے متعلق سوچ رہی تھی کہ وہ اس سے خفا ہوں گی۔ کیا پتا حمیدہ نے بتا دیا ہو انہیں۔ انہوں نے فون تو ضرور کیا ہوگا۔ ان کی عادت تھی وہ آفس سے ایک دو بار فون ضرور کرتی تھیں۔ پھر اگر حمیدہ نے انہیں بتا دیا تھا تو انہیں اسپتال میں آنا چاہیے تھا ارحم بھائی کو دیکھنے۔ وہ سوچوں میں اتنی گم تھی کہ پتا ہی نہیں چلا کہ رکشا گھر کے دروازے کے پاس رک گیا تھا اور

رفیق اسے اترنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ چونک کر اتری۔

"تمہارے پاس پیسے ہیں نا۔"

"جی خدا بخش چاچا نے دیے تھے۔"

رفیق جیب سے پیسے نکال رہا تھا وہ چھوٹا گیٹ کھول کر اندر آگئی۔ خدا بخش اکرم سے بات کر رہا تھا۔

"تو پھپھو آگئیں۔" اس نے دوسری گاڑی بھی دیکھ لی تھی۔ خدا بخش اور اکرم دونوں ہی تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

"ارحم صاحب کیسے ہیں اب۔" دونوں کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

"ابھی کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔" ان کی بات کا جواب دے کر وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھی تھی۔ چھوٹی لڑکی شازیہ نے دروازہ کھولا تھا۔ لاؤنج میں ٹی۔ وی چل رہا تھا اور حمیدہ نیچے فرش پر بیٹھی ٹی۔ وی دیکھ رہی تھی۔ شازیہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئی تھی اور ٹی۔ وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ حمیدہ اس کی طرف مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"پھپھو کہاں ہیں۔ کیا آرام کر رہی ہیں۔" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"جی وہ بیگم صاحبہ تو نہیں آئیں۔"

"لیکن گاڑی تو باہر کھڑی ہے۔ اور ڈرائیور اکرم بھی چاچا سے باتیں کر رہا تھا۔" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں جی وہ تو اسلام آباد چلی گئی ہیں۔ فون آیا تھا ان کا ضروری کام سے اسلام آباد جانا پڑ گیا ہے۔ انہوں نے ڈرائیور بھیج کر اپنے کپڑے منگوائے تھے۔ اکرم تو بس ابھی انہیں ایئرپورٹ چھوڑ کر آیا ہے۔"

"انہوں نے میرا نہیں پوچھا تھا۔" اب وہ قدرے ریلیکس ہو کر حمیدہ سے سوال کر رہی تھی۔

"نہیں جی بس کہا تھا آپ کو بتا دوں رات کو وہ آپ کو فون کریں گی۔"

"تم نے ارحم بھائی کا بتایا تھا انہیں۔"

"نہیں جی میں بس بتانے ہی لگی تھی لیکن انہوں نے فون بند کر دیا۔"

"اچھا" وہ مطمئن سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"میں باتھ لینے جا رہی ہوں تم اچھی سی چائے دم کرو۔" یکدم اسے احساس ہوا کہ اسے بھوک لگ رہی ہے۔ صبح بھی اس نے ناشتا نہیں کیا تھا صرف جوس کا ایک گلاس پیا تھا۔

"سنو میں کھانا بھی کھاؤں گی۔" حمیدہ کو بتا کر وہ باتھ لینے چلی گئی تھی۔

کھانا کھا کر اس نے گاؤں فون کیا تھا۔ فون اماں نے ہی اٹھایا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔

"ماموں کہاں ہیں اور باقی سب۔"

"تمہاری مامی کے بھانجے کی شادی ہے وہ سب تو کل سے گئے ہوئے ہیں۔ کل واپس آئیں گے۔ ناصر بھائی آج صبح گئے ہیں۔"

"تو آپ مجھے فون کر لیتیں ہم دیر تک بات کرتے۔"

"فون کو تو تالا لگا گئی ہیں وہ بس سن سکتی ہوں شکر ہے اس بار الماری میں بند نہیں کیا۔"

اس نے دیر تک اماں سے بات کی اور ارحم کے متعلق بھی بتایا۔

"ارحم کا خیال رکھنا بیٹا بہت اچھا بچہ ہے۔ تمہاری پھپھو جب تک نہیں آتیں۔ تمہیں ہی دھیان رکھنا ہوگا خود یخنی وغیرہ بنوا کر ہسپتال بھجوا دینا۔"

"جی" اور وہ اماں کو بتا نہ سکی کہ پھپھو تو ارحم کے متعلق بالکل بھی اچھی رائے نہیں رکھتیں۔ اسے وہ سب باتیں یاد آئیں جو پھپھو نے بتائی تھیں اور کل شام ہی تو جب وہ ان کے ساتھ شاپنگ کر کے واپس آئی تھی اس نے ارحم کو بینچ پر بیٹھے کچھ پیتے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلاس تھا اور اس میں جو بھی مشروب تھا بیگم راحت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ فراز گھر میں نہیں تو اب باہر لان میں بیٹھ کر پینے لگا ہے حالانکہ پہلے کمرے میں پیتا تھا۔ اور وہ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ کوئی جوس پی رہا ہے۔ اس نے چونک کر بیگم راحت کی طرف دیکھا تھا۔ اور شاید رات کو نشے میں

وہاں ہی سو گئے ہوں گے ارحم بھائی اور انہیں ٹھنڈ لگ گئی ہو گی۔ اس نے سوچا، لیکن اس نے اپنے دل میں ارحم کے لیے نفرت کے بجائے ہمدردی محسوس کی اگر پھپھو نے محبت اور پیار سے انہیں سمجھایا ہوتا تو شاید وہ ڈرنک کرنا چھوڑ دیتے۔۔۔ اور شاید انہوں نے چاندنی سے شادی نہ ہو سکنے کے غم میں شراب پینی شروع کر دی ہو گی ورنہ ارحم بھائی ہرگز ایسے نہ تھے وہ تو بہت اچھے تھے۔ انہوں نے تو کبھی سگریٹ تک نہیں پی تھی ایک بار سحر نے اسے بتایا تھا۔ اور کیا تھا اگر پھپھو اور انکل فراز ان کی شادی چاندنی سے کر دیتے غریب ہونا کوئی جرم تو نہیں ہے نا۔۔۔ پھپھو کہہ رہی تھیں وہ کسی گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔۔۔ کیا کسی گھٹیا خاندان میں کوئی اچھا بندہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

"بیگم صاحبہ کا فون ہے جی" شازیہ نے کارڈلیس اسے پکڑاتے ہوئے کہا تو چونک کر اس نے فون پکڑ لیا۔ اماں کو فون کرنے کے بعد ابھی تک وہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی۔

"جی پھپھو۔"

"کیسی ہو میری جان۔۔۔"

"ٹھیک ہوں آپ۔۔۔"

"سوری گڑیا" انہوں نے اس کی بات کاٹی۔

"اچانک آنا پڑ گیا۔۔۔ بہت ضروری کام ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے ایک دن سے زیادہ رہنا پڑ جائے۔ گھبرانا نہیں شازیہ کو اندر ہی سلا لینا اپنے کمرے یا لاؤنج میں۔۔۔ کمرے لاک کر کے چابیاں اپنے کمرے میں ہی رکھنا۔"

"پھپھو وہ۔۔۔" وہ بتانا چاہتی تھی ارحم کے متعلق لیکن انہوں نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"تم بچی نہیں ہو اب ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے سب پرانے ملازم ہیں۔ بھروسے اور اعتماد والے۔"

"جی"

"او کے جانو میرا ویٹ ہو رہا ہے" انہوں نے فون بند کر دیا اور وہ ارحم کے متعلق بتا ہی نہیں سکی۔ فون بند کر کے وہ اٹھی۔

"رفیق چلا گیا کیا۔" اس نے حمیدہ سے پوچھا۔ جو برتن دھو رہی تھی۔

"پتا نہیں جی۔ کہہ رہا تھا کھانا کھا کر جاؤں گا۔"

"آٹھ تو بج گئے ہیں تم اسے کھانا دے دو وہاں بے چارے ارحم بھائی اکیلے ہوں گے۔ ڈاکٹر خالد نے بھی تو گھر جانا ہو گا"۔ حمیدہ کو ہدایت دے کر وہ باہر آئی تو خدا بخش نے اسے بتایا کہ اس نے اکرم کو بھیج دیا ہے۔ رفیق جائے گا تو وہ آ جائے گا۔ بڑے صاحب کو پتا چلا تو وہ ناراض ہوں گے کہ لاوارثوں کی طرح اکیلا ہے اسپتال میں۔

اور وہ بے حد مطمئن سی ہو کر واپس آگئی تھی صبح رفیق آیا تو اس نے بتایا کہ رات بھر ان کی طبیعت کافی خراب رہی۔ چیسٹ میں بہت درد تھا اور سانس بھی بار بار اکھڑ جاتا تھا بخار بھی بہت تیز تھا۔۔۔ لیکن اب کچھ بہتر ہیں سو رہے ہیں۔

"اچھا اور ڈاکٹر خالد؟" اس نے پوچھا "وہ رات بارہ بجے کے بعد ہی گھر گئے تھے لیکن وہ ڈیوٹی والے ڈاکٹرز کو ہدایت کر گئے تھے۔ ڈاکٹر خالد آئے ہیں تو میں گھر آیا ہوں"۔

"ٹھیک ہے تم ناشتا کر کے سو جاؤ۔ اور اکرم کو کہو کہ وہ ارحم بھائی کے لیے ناشتا اور سوپ وغیرہ لے کر چلا جائے"۔

"نہیں جی ڈاکٹر خالد نے منع کیا ہے کچھ لانے کو وہ گھر سے ان کا ناشتا لے آئے تھے۔ اور سوپ وغیرہ بھی لائے ہیں جی"۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اکرم کے ساتھ ہسپتال چلی جائے۔۔۔ لیکن سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ جائے یا نہ جائے۔۔۔ پتا نہیں پھپھو کو اس کا جانا پسند نہ آئے۔۔۔ پھپھو فون بند نہ کرتیں تو وہ ان سے پوچھ لیتی۔ ایک بار اس نے سوچا خود سے کر لے لیکن پھر اس خیال سے نہ کیا۔ کیا پتا وہ اس وقت سو رہی ہوں۔ وہ بہت بے چین تھی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

گھر کا ایک فرد ہسپتال میں تھا اور اس کے پاس اس کا کوئی اپنا نہیں تھا۔ اسی وقت صائم کا فون آگیا۔

"ابھی سو کر اٹھا ہوں سوچا فون کرلوں کیونکہ اگلے دو ہفتے میں بہت مصروف ہوں پھر ایک ماہ کی چھٹیاں ہیں۔۔۔ اور میں نے پاکستان آنے کا پروگرام بنالیا ہے۔۔۔ مما کہاں ہیں؟"

"وہ تو نہیں ہیں۔" عینا نے اسے ساری تفصیل بتائی ارحم کی بیماری کی۔

"او مائی گاڈ ارحم بھائی بیمار ہیں۔ وہ تو بیماری میں بڑے چڑچڑے ہوجاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے میرے بچپن میں انہیں ذرا سا بخار بھی ہوتا تھا تو کسی کو اپنے پاس سے اٹھنے نہیں دیتے تھے۔ ڈیڈی تو ان کے روم میں رہتے تھے جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوجاتے تھے۔ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تب بھی ان کی خواہش ہوتی تھی کہ میں ڈیڈی مما سب ان کے پاس ہی رہیں۔ مما بہت چڑتی تھیں ان کی اس عادت سے۔۔۔ تم ان کا بہت خیال رکھنا۔۔۔ سالوں بعد تو وہ گھر آتے ہیں اور یہاں بھی بیماری میں اکیلے ہیں ہسپتال میں۔"

"تو کیا میں جاؤں ہسپتال؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ہاں مہربانی ہوگی تمہاری۔۔۔" وہ اسی بے تکلفی سے بول رہا تھا۔

"مما ہوتیں یہاں تو وہ انہیں ہسپتال میں اکیلا نہ چھوڑتیں۔ اور ڈیڈی تو خیر ارحم بھائی کے لیے ہمیشہ سے بہت کونشیس ہیں۔"

پتا نہیں وہ خوش گمان تھا یا واقعی پھپھو ان کا ایسے ہی خیال رکھتیں۔ جبکہ پھپھو نے ارحم کے حوالے سے جو مختصر گفتگو کی تھی۔ اس سے تو اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں ارحم کا کوئی خیال نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے میں چلی جاؤں گی۔"

اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر ہسپتال جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ ٹھیک ہے پھپھو نے کچھ کہا تو میں کہہ دوں گی صائم نے کہا تھا۔۔۔ جانے کو۔۔۔" اس نے اندرونی گیٹ کھول کر خدا بخش کو آواز دی۔

"خدا بخش چاچا آپ کے پاس اکرم بھائی کا نمبر ہے۔"

"ہاں جی ہے۔"

"تو چاچا پھر انہیں فون کریں کہ وہ آجائیں اور مجھے ہسپتال لے جائیں اور اگر ارحم بھائی جاگے ہوئے ہوں تو پوچھ لیں گھر سے کچھ لانا تو نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے جی کردیتا ہوں"۔

کچھ ہی دیر بعد اکرم آگیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ارحم کا ٹمپریچر کم نہیں ہورہا۔ کافی دیر پہلے ہی انہیں ایمرجنسی میں لے گئے تھے۔ ابھی کمرے میں لے آئے تھے۔ ڈاکٹر خالد ان کے پاس ہی ہیں۔ "ٹھیک ہے آپ مجھے ہسپتال چھوڑ کر آجائیں پھر شام کو لینے آجایئے گا۔۔۔"

اس نے گاڑی کی چابی اکرم کو دی۔

"شام کو میں آجاؤں گا اکرم کے ساتھ اور رات وہاں ہی رہوں گا۔۔۔ ادھر گھر میں اکرم ہوگا نا"۔

خدا بخش نے کہا تو اس نے سر ہلادیا۔

اس نے محسوس کیا تھا۔ سب ملازم ارحم کا بہت احترام کرتے تھے اور اس سے محبت کرتے تھے۔

ڈاکٹر خالد ارحم کے قریب کرسی بچھائے بیٹھا تھا اور اس کی فائل دیکھ رہا تھا۔ جب عینا دستک دے کر اندر آئی ڈاکٹر خالد نے مڑ کر اسے دیکھا اور احتراماً کھڑا ہوگیا۔ عینا نے سلام کرکے ارحم کا حال پوچھا۔

"پہلے سے کافی بہتر ہیں لیکن ابھی بالکل ٹھیک ہونے میں وقت لگے گا۔"

"کتنا وقت۔" عینا نے بیڈ کے قریب آکر جھک کر دیکھا ارحم کا چہرہ اسے زرد زرد سا لگا۔

"شاید ایک ہفتہ لیکن ہسپتال سے دو دن تک فارغ کردیں گے انشاءاللہ۔"

"ابھی سو رہے ہیں کیا؟"

"زبردستی سلایا ہے۔ میڈیسن دے کر ورنہ بہت واویلا مچا رہا تھا" ڈاکٹر خالد مسکرایا۔

"میں نے بتایا تو تھا رفیق کو میرا آج آف ہے میں سارا دن اسی کے پاس رہوں گا آپ بے فکر رہیں۔"

"وہ بس میں۔" عینا کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا

کہے۔

"آپ کو چین نہیں آرہا ہوگا"۔ ڈاکٹر خالد کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"خیر آپ بیٹھیں میں چلتا ہوں۔ ڈاکٹر غزنوی ڈیوٹی پر ہیں۔ ان سے میں کہہ جاتا ہوں وہ پتا کرتے رہیں گے اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو غزنوی کو کہیے گا مجھے فون کرلیں گے۔"

"جی۔ شکریہ" وہ اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ ڈاکٹر خالد چلا گیا تو وہ ڈاکٹر خالد والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ شام تک دو تین بار ڈاکٹر غزنوی نے چکر لگایا۔ نرسیں بھی آتی جاتی رہیں۔ کوئی بی پی چیک کرتی کوئی انجکشن اور دوا آکر دیتی۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی رہی۔ ارحم دو تین بار اٹھ کر بیٹھا۔ اس نے ایک طرف بیٹھی عینا کو دیکھا بھی لیکن کچھ کہا نہیں۔ اور پھر خاموشی سے کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر غزنوی نے اس کے لیے چائے بھجوادی تھی۔ غالباً" ڈاکٹر خالد نے کہا تھا ــــ ساتھ سینڈوچ تھے۔ اس نے چائے بنائی اور کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔ ارحم اس کی طرف سے کروٹ کیے لیٹا تھا کچھ دیر پہلے ہی نرس انجکشن لگا کر گئی تھی۔

"ارحم بھائی" وہ اٹھ کر اس کے بیڈ کے قریب آئی۔

"چائے پئیں گے آپ۔" ارحم نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے پائنتی کی طرف سے ذرا چہرہ آگے کرکے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں غالباً" سو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی خدابخش آگیا تھا۔ وہ حمیدہ سے سوپ بنوا کر لایا تھا۔ تھرموس میں چائے بھی تھی اور ساتھ میں ڈبل روٹی تھی۔

"ارحم بیٹا" سامان کی باسکٹ ایک طرف رکھ کر وہ تیزی سے اس کے بیڈ کے قریب آیا اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ ارحم نے کروٹ لی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ارے ارے بیٹا لیٹے رہو۔ تمہارا جسم تو ابھی بھی دہک رہا ہے۔ لگتا ہے بخار نہیں اترا"۔ ارحم نے خدابخش کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ عینا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو ہاتھ میں چائے کا کپ لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"چاچا آپ نے ان کو کیوں تکلیف دی۔"

"نہیں ــــ نہیں ارحم بھائی میں تو خود آئی ہوں۔ آپ کی اتنی طبیعت خراب تھی۔ اب آپ کیسے ہیں۔" بتاپیے اس نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"چاچا پلیز انہیں گھر چھوڑ آئیں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ اور اس نے عینا کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ عینا کا رنگ یکدم سرخ ہوا تھا اور وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"اکرم آیا ہے میرے ساتھ۔ وہ بی بی کو لے کر ہی جائے گا"۔

خدابخش نے بتایا تو اس نے دروازہ کھولتے کھولتے سنا۔

"چاچا آپ انہیں پارکنگ تک چھوڑ کر آئیں۔ یہ کہاں اکرم کو ڈھونڈتی رہیں گی۔"

"جی" خدابخش اس کے پیچھے ہی باہر آیا۔

"رات میں ادھر ہی رہوں گا ارحم صاحب کے پاس۔ عینا بی بی آپ پریشان مت ہوئیے گا۔ اکرم اور رفیق گھر پر ہوں گے۔"

اس نے بنا کچھ کہے سرہلایا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں نم ہورہی تھیں اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکنے کی کوشش کررہی تھی۔ کیا تھا اگر ارحم بھائی میری بات کا جواب دے دیتے۔ یقیناً" وہ پھپھو سے ناراض ہیں لیکن میں نے تو ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اور میں کل سے اب تک خوامخواہ پریشان ہورہی تھی۔ ٹھیک ہے اب رہیں اکیلے ہسپتال میں ملازموں کے ساتھ میں بھی نہیں جاؤں گی اب۔

رفیق نے گیٹ کھولا تھا اور وہ گاڑی سے اترتے ہی تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی' شازیہ نے اندرونی گیٹ کھول دیا تو وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور حمیدہ کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حمیدہ اس کے پیچھے ہی

آئی تھی۔

"وہ ارحم صاحب کی طبیعت کیسی ہے"

"ٹھیک ہیں" اس نے رکھائی سے کہا۔

"پلیز میرے لیے چائے کمرے میں ہی بھجوادو سر میں سخت درد ہورہا ہے۔" بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے حمیدہ کی طرف دیکھا۔

"وہ جی بڑے صاحب کا فون آیا تھا وہ ارحم صاحب کا پوچھ رہے تھے میں نے بتادیا آپ بہت خیال رکھ رہی ہیں ان کا اور اسپتال بھی گئی ہوئی ہیں بہت شکریہ ادا کررہے تھے آپ کا۔"

"بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ سیدھی ہوئی۔ "پھپھو نہیں تھیں تو مجھے ہی خیال رکھنا تھا۔"

"نہیں کہاں پروا ہے ارحم صاحب کی۔" اسے حمیدہ کا لہجہ عجیب سا لگا۔ اور اس کا تبصرہ بھی برا لگا لیکن وہ خاموش رہی۔

"آپ بہت اچھی ہیں جی اور بہت نرم دل کی بھی۔" حمیدہ نے اس کی ناگواری محسوس کرلی تھی۔

"حمیدہ پلیز میرے سر میں بہت درد ہے چائے بھجوادو۔ اور ہاں پھپھو کا فون آیا تھا۔"

"نہیں" حمیدہ چلی گئی تو اس نے دونوں پاؤں بیڈ پر رکھے اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

رات وہ جلدی سوگئی تھی پھر بھی صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ فجر قضا ہوگئی تھی۔ قضا نماز پڑھ کر وہ باہر نکلی تو شازیہ اور حمیدہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی۔وی دیکھ رہی تھیں۔ بیگم راحت کی موجودگی میں وہ اس طرح لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی۔وی دیکھنے کی جرات نہیں کرسکتی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ دونوں ہی یکدم کھڑی ہوگئی تھیں۔

"فارغ بیٹھنے کے بجائے ڈسٹنگ کرلیتیں۔ کتنی دھول پڑ رہی ہے ہر چیز پر ــــ پھپھو آئیں گی تو ڈانٹیں گی۔" شازیہ سرہلا کر چلی گئی وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور اخبار اٹھالیا۔ ایک اور بور دن کا آغاز ہوگیا تھا۔

سارا دن وہ ٹی۔وی دیکھتی یا میگزین پڑھتی رہی۔ رفیق سے اسے پتا چل گیا تھا کہ خدابخش آگیا ہے۔ اور اکرم اسپتال چلا گیا۔ لیکن وہ اٹھ کر باہر نہیں گئی اور نہ ہی خدابخش چاچا سے جاکر ارحم کی طبیعت کا حال پوچھا۔ رات کو جب وہ بیڈ پر لیٹی تو تب بھی اس پر قنوطیت اور بےزاری طاری تھی۔

اگلی صبح جب وہ اٹھی تو ارحم کو مارجن دے چکی تھی۔ ارحم نے مجھے پہلے روز کی طرح کچھ کہا تو نہیں تھا۔ بس میری بات کا جواب نہیں دیا تھا ــــ لیکن اسے خیال تو تھا تب ہی تو اس نے چاچا خدابخش سے کہا تھا کہ وہ مجھے خود چھوڑیں۔ میں بھی خوامخواہ ہی موڈ خراب کرکے بیٹھ گئی۔ کم از کم مجھے خدابخش چاچا سے تو احوال پوچھنا چاہیے تھا ارحم بھائی کا پتا نہیں کیا حال ہے۔ کہیں طبیعت زیادہ خراب نہ ہوگئی ہو۔ دوپہر تک اس نے ادھر ادھر کے کاموں میں خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کی۔ عصر تک وہ اسپتال جانے کا فیصلہ کرکے باتھ لینے چلی گئی۔

تیار ہوکر باہر آئی تو حمیدہ نے اسے بیگم راحت کے فون کا بتایا کہ وہ اسلام آباد سے ہی دو دن کے لیے کراچی چلی گئی ہیں اور یہ کہ اس نے انہیں عینا کی آج کی کارکردگی کی پوری رپورٹ دی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ خوامخواہ خود کو مت تھکائے اور پیار کیا ہے۔

عینا نے سرہلادیا اور اندرونی گیٹ کھول کر باہر آئی خدابخش اپنی چارپائی پر لیٹا تھا۔

"چاچا اکرم بھائی کو کہیں مجھے اسپتال لے جائیں کہاں ہیں وہ"۔

"اکرم تو اپنے کوارٹر میں ہے عینا بی بی لیکن آپ اگر ارحم صاحب کو دیکھنے کے لیے ہسپتال جارہی ہیں تو صاحب تو آگئے ہیں جی ابھی کچھ دیر پہلے ہی"۔

"اوہ کیا ٹھیک ہیں بالکل۔"

"بالکل ٹھیک تو نہیں ہیں جی لیکن ڈاکٹر خالد کہہ رہے تھے ضد کرکے آگئے ہیں"۔

"اچھا" وہ انیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ انیکسی کا

دروازہ کھلا تھا اندر روم کی لائیٹ جل رہی تھی۔ وہ صحن عبور کرکے کمرے کے دروازے تک آئی۔ اور دروازے کے پاس رک گئی۔ پتا نہیں وہ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں پھر اسے پہلے دن کا ارحم کا ردعمل یاد آیا تو دستک دیتے دیتے جھجک گئی۔ تب ہی اندر سے ڈاکٹر خالد کی آواز آئی۔

"کمال ہے یار یعنی وہ تمہاری کچھ نہیں لگتی"۔

"ہاں بتایا تو ہے وہ بیگم راحت کی بھتیجی ہے۔ میری کچھ نہیں ہے"۔ یہ ارحم کی آواز تھی جھنجلائی ہوئی سی۔

"کاش وہ تمہاری کچھ ہوتی تو مجھے خوشی ہوتی بہت" ڈاکٹر خالد کی آواز میں شرارت تھی۔

"بکو مت"

"مجھے یقین نہیں آرہا ارحم جس طرح وہ تمہارے لیے پریشان ہو رہی تھی اور۔۔۔" عینا کا ہاتھ دروازے کی ناب پر تھا۔

"بند کرو یہ قصیدہ خالد۔ مجھے خواتین اور ان کے مکر سے نفرت ہے۔۔۔ تم ایسے ڈراموں سے متاثر ہوسکتے ہو میں نہیں"۔ عینا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ تیزی سے واپس مڑی' لیکن غیر ارادی طور پر دروازے پر اس کے ہاتھ کا دباؤ بڑھا اور دروازہ تھوڑا سا کھل گیا اور اس کھلے دروازے سے ڈاکٹر خالد نے عینا کو واپس پلٹتے دیکھا۔

"اوہ میرے خدا۔" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"مس پلیز ایک منٹ رکیں۔" لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی داخلی دروازے تک پہنچ چکی تھی جب ڈاکٹر خالد نے اس کے دائیں طرف سے دروازے پر ہاتھ رکھا۔

"مس پلیز ایک منٹ میری بات سن لیں۔ اگر آپ میری وجہ سے جارہی ہیں تو میں جانے ہی والا تھا"۔

"آپ کی وجہ سے۔" اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"نہیں۔" اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا۔

"احمق۔۔۔ الو۔۔۔" اس نے باآواز بلند کہہ کر باقی بات دل میں سوچی اتنی اچھی لڑکی کو ناراض کردیا' عینا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ ارحم ایک دم الو ہے" وہ سٹپٹایا۔

"جو کچھ منہ میں آئے بک دیتا ہے۔ آپ ضرور اس کی بات سے ہرٹ ہوئی ہیں۔ دراصل اس نے جو کہا اس کا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے میں نے آپ کی بات کا یقین کرلیا اب میں جاؤں۔"

"اوہ ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ تھینک یو"۔ وہ دروازے سے ہاتھ ہٹا کر واپس مڑا۔ چند قدم بڑھائے پھر مڑ کر دیکھا وہ جاچکی تھی۔ ارحم بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جب ڈاکٹر خالد نے اندر قدم رکھا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑے تاسف سے سرہلایا۔

"اتنی اچھی لڑکی کو ناراض کردیا۔ کیا ضروری تھا کہ تم اپنے گولڈن خیالات کا اظہار اسی وقت کرتے۔ اب نہیں کرے گی وہ تمہاری خدمت۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے خدمتیں کروانے کا۔" وہ جھنجلایا۔

"مجھے تو تھا نا کہ وہ تمہاری خدمت کرے۔ تمہارا خیال رکھے اور ایک دن تم اس کی خدمت سے متاثر ہوکر اس کی محبت میں مبتلا ہوجاؤ اور پھر۔۔۔ ہیپی اینڈ"۔

"اب میں پہلے جیسا احمق نہیں رہا خالد حیات اور ہر محبت کا اینڈ ہیپی نہیں ہوتا۔ بہت سی محبتوں کا انجام بہت المناک ہوتا ہے۔"

"ویسے ایک بات کہوں یہ لڑکی بھلے بیگم راحت کی بھتیجی ہو لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں اخلاص نظر آیا۔ کوئی دھوکا یا فریب نہیں دکھا مجھے۔"

وہ سنجیدہ ہوگیا تھا۔

"بہت رو رہی تھی وہ' تمہارے الفاظ نے ہرٹ کیا

اسے ہوسکے تو سوری کرلینا"۔

"تم نے سوری کرلیا نا' کافی ہے"۔

"اوکے میں اب چلتا ہوں" ڈاکٹر خالد کھڑا ہوگیا۔

"کل چکر لگاؤں گا۔ دوائی یاد سے ٹائم پر لے لینا۔ اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو فون کرلینا۔ اب اگر غیروں جیسا سلوک کیا نا تو گردن توڑ دوں گا آگر تمہاری۔" ارحم کے لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تمہیں کیا پتا ڈاکٹر خالد حیات' اپنائیت اور اپنوں نے کتنا زخم زخم کیا ہے مجھے۔" ڈاکٹر خالد کے جانے کے بعد اس نے سوچا اور آنکھیں موند لیں۔ اور ہمیشہ کی طرح بند آنکھوں کے سامنے چھم کرکے وہ آگئی۔

"میں تمہیں بھول کیوں نہیں جاتا چاندنی۔ یہ کیسی محبت ہے میری جو تمہاری بے وفائی کے باوجود دل سے نہیں نکلتی۔" اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے اور بند آنکھوں کے پیچھے آنسو مچلنے لگے۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اس نے ان آنسوؤں کو بہنے نہ دیا اور برفاب کرکے اپنے اندر اتار لیا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔۔۔ تپتے صحراؤں کی طرح جہاں برسوں سے پانی کی بوند تک نہ گری ہو۔

زندگی مما کے بعد بہت خاموش اور چپ چپ گزرنے لگی تھی۔ لیکن ایک لگی بندھی روٹین لائف۔ گھر' کالج' یونیورسٹی' ڈیڈی سے دو چار باتیں اور پھر اپنا کمرہ' کتابیں' کمپیوٹر اور بس۔

اتنی ہی سی تھی زندگی اس کے لیے محدود سی پھر وہ آگئی اس کی زندگی میں۔

اور دنوں میں اسے اپنا اسیر کرلیا۔ وہ صرف اس کے دل پر ہی نہیں ہر چیز پر ہی حکومت کرنے لگی۔

وہ کھل کر ہنستا۔ لاؤنج میں بیٹھ کر ڈیڈی سے گپ لگانا' گھومنا' کالج اور یونیورسٹی کے ساتھیوں سے ملنا' لمبی ڈرائیو پر جانا' شاپنگ کرنا' سب نیا نیا لگتا جیسے مما کے بعد وہ ہنسنا بھول گیا تھا۔ بلکہ کسی بھی چیز پر خوش ہونا بھول گیا تھا۔ سب کچھ نارمل سا لگتا۔ لیکن اب ہر

بات اسے خوش کرتی وہ ہر شے انجوائے کرتا۔ سب بہت خوب صورت تھا۔ لیکن پھر سب کچھ ختم ہوگیا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا جو اچانک آنکھ کھلنے سے ختم ہوگیا۔ کوئی بہت خوب صورت منظر تھا۔ جس کا وہ خود بھی حصہ تھا اور پھر یہ خوبصورت منظر غائب ہوگیا۔ اور وہ تپتے صحرا میں کھڑا رہ گیا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور ہاتھ بڑھا کر اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا۔ باہر شام اتر آئی تھی۔۔۔ اور ملگجا اندھیرا ہولے ہولے گہرا ہو رہا تھا وہ بہت دیر تک یونہی باہر دیکھتا رہا۔ کھڑکی کے سامنے کینو کے درخت تھے اور ایک غالباً" لیموں کا پیڑ بھی تھا۔ ہمیشہ کی طرح شام کی اداسی اس کے دل میں اترنے لگی تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پتا نہیں شامیں اتنی اداس کیوں ہوتی ہیں۔ گہری اداسی میں لپٹی دن کے ہنگاموں سے الگ اور مختلف۔

وہ یکدم دروازہ کھول کر باہر نکلا اور انیکسی کا چھوٹا سا صحن عبور کرکے دروازہ کھول کر لان میں آگیا۔ باہر اچھی خاصی خنکی تھی۔ اسے ابھی ٹمپریچر تھا اور سینے میں بھی درد ہو رہا تھا۔ ایک لحہ کے لیے وہ ٹھٹکا اس نے سوچا وہ واپس اپنے کمرے میں چلا جائے۔۔۔ اسے یہاں زیادہ دیر نہیں رکنا تھا۔۔۔ اور جتنی جلدی اس کی طبیعت ٹھیک ہوتی اتنی جلدی وہ واپس جاسکتا تھا۔ لیکن اس گہری ہوتی اداس شام میں کمرے میں خاموش بیٹھ کر ماضی کو یاد کرنا اور اس کو سوچنا بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتا ہوا لان چیئرز تک آیا اور بیٹھ گیا۔۔۔ خدا بخش گیٹ پر نہیں تھا ورنہ اس نے سوچا تھا کہ وہ کچھ دیر خدا بخش سے باتیں کرے گا تو دل پر دھرا بوجھ کچھ کم ہوگا۔

وہ اپنے دھیان میں اِدھر اُدھر دیکھے بغیر بیٹھ گیا تھا اور اس نے ذرا فاصلے پر موجود سنگی بینچ پر بیٹھی عینا کو نہیں دیکھا تھا۔ جو جانے کب سے وہاں بیٹھی تھی۔ اور اسے بیٹھتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاید اس کے کپڑوں کی سرسراہٹ تھی یا ویسے ہی اسے وہاں کسی کے موجود ہونے کا احساس ہوا تھا کہ اس نے سر اٹھا کر اس

کی طرف دیکھا۔ گیٹ پر جلنے والے لیمپ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ایک لمحہ کو اسے لگا جیسے اس کی پلکیں اب بھی بھیگی بھیگی ہوں۔۔۔ اس کے کانوں میں خالد کی آواز آئی۔۔۔ بہت رو رہی تھی وہ۔۔۔ تو کیا وہ اس وقت سے اب تک رو رہی ہے۔۔۔ اسے افسوس ہوا وہ کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چاہے وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اندر سے اتنا ہی نرم دل تھا۔ اس نے پھر اسے دیکھنا چاہا لیکن اس نے قدم بڑھا دیا تھا اور اب اس کا چہرہ روشنی کی زد میں نہیں تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور رخساروں پر بھی سرخی تھی جیسے اس نے رگڑ کر آنسو پونچھے ہوں۔

"عینا!"

وہ بے اختیار کھڑا ہو کر دو قدم بڑھا کر اس کے قریب آیا جو اس کے بلانے پر رک گئی تھی۔

"سوری عینا۔۔۔ میرے کسی جملے سے آپ کو تکلیف ہوئی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔۔۔ خاص طور پر میں نے آپ کے لیے وہ جملہ نہیں کہا تھا ایک نارمل بات کی تھی۔۔۔ میں شاید ایسا ہی سمجھتا ہوں یا مجھے ایسا ہی باور کرایا گیا۔ نارملی میرا یہ رویہ خواتین کے ساتھ کچھ درشت اور باغیانہ ہو جاتا ہے جسے میں خود بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن حالات نے مجھے ایسا ہی کر دیا ہے۔"

"لیکن ارحم بھائی مجھے آپ کے رویے سے دکھ ہوا۔

میں نہیں جانتی آپ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔ آپ ایسے تو بالکل بھی نہیں تھے۔" کسی یاد نے اس کے دل میں چٹکی لی۔

"وقت کے ساتھ آدمی بدل جاتا ہے عینا۔۔۔ میں بھی بدل گیا ہوں۔۔۔ مجھے پچھلا کچھ یاد نہیں کہ میں کیسا تھا۔ مجھے لگتا ہے میں ہمیشہ سے ایسا ہی تھا منہ پھٹ اور بدتمیز، لیکن میں جان بوجھ کر کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ مجھے دوسروں کا خود سے زیادہ خیال رہتا ہے۔ آپ کو بھی انجانے میں تکلیف پہنچا بیٹھا اس کے لیے سوری۔"

"ارحم بھائی پلیز آپ اس طرح سوری مت کریں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"میں جانتی تو نہیں ہوں لیکن مجھے لگتا ہے کہ آپ کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا شاید پھپھو نے آپ کے ساتھ روایتی سوتیلی ماں کا سا برتاؤ کیا ہو۔ اس لیے آپ مجھے ان کے حوالے سے دیکھتے ہیں"۔

"سوتیلی ماں کا سا برتاؤ"۔ ارحم نے تلخی سے سوچا۔

"تم کیا جانو تمہاری پھپھو نے تو میرا دل چیر کر میرے زخموں پر مرچیں اور نمک چھڑک دیا اور میں اذیت سے تڑپتا ہوں آج تک۔۔۔"

اندر سے شاید حمیدہ نے پورچ کی لائیٹ جلائی تھی۔ دونوں نے ہی بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ عینا کی بھیگی پلکیں اور آنکھوں سے نیچے موجود سرخی اس کے رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ ارحم نے ایک گہری سانس لے کر اس اذیت کو برداشت کرنے کی کوشش کی جو یکایک ہی پورے وجود میں اتر آئی تھی اور آہستگی سے کہا۔

"آپ پلیز اب روئیے گا مت۔۔۔ آپ کے آنسو میرے جرم کی گواہی ہیں اور میں اس پر شرمندہ ہو چکا۔" وہ یکدم مڑا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ عینا وہاں ہی کھڑی چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ہولے ہولے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور آہستہ سے پکارا۔

"ارحم بھائی۔۔۔ یہاں کافی ٹھنڈ ہے اور آپ بیمار ہیں۔۔۔ پلیز اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ آپ کی طبیعت کہیں پھر خراب نہ ہو جائے"۔

"چلا جاؤں گا پلیز عینا آپ جائیں"۔ وہ اسے پھر ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عینا چند لمحے وہاں مزید کھڑی رہی۔

"آپ ضرور جلدی چلے جایئے گا۔ یہ ٹھنڈک آپ کے لیے بہت نقصان دہ ہے"۔

اس بار اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ عینا بھی لمحہ بھر رک کر اندر چلی گئی۔ عینا چلی گئی تھی لیکن وہ بہت دیر تک وہاں ہی بیٹھا رہا۔

بڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ اس کے سینے میں درد ہو رہا ہے۔۔۔ اور یہ درد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا ہے۔۔۔

وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر گر گیا۔

کچھ دیر وہ یونہی پڑا درد برداشت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر مشکل سے اٹھ کر اس نے میڈیسن لیں۔

یہ میڈیسن اسے تین گھنٹے پہلے لینی تھیں۔ دوا کھا کر وہ بستر تک آیا تو اس پر باقاعدہ کپکپی طاری ہو چکی تھی کمبل کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹتے ہوئے اس نے شدت سے خواہش کی کہ کاش خدا بخش آ جائے یا اکرم کوئی بھی اور کہیں سے الیکٹرک ہیٹر ہی آ کر لگا دے یہاں انیکسی میں گیس ہیٹر نہیں تھا۔

اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے موبائل کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اٹھایا ہی تھا کہ وہ بج اٹھا۔ دوسری طرف خالد تھا۔

"ہے کیسے ہو۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"شدید سردی اور درد سے بے حال ہو رہا ہوں۔"

"اوکے میں آ رہا ہوں۔" اس نے آنکھیں موند کر سر تکیے پر رکھ دیا۔ وہ آ رہا تھا تو ضرور ہیٹر بھی لگا دے گا اور درد کم کرنے کی کوئی دوا بھی دے گا۔ یہ آخری خیال تھا جو اس کے ذہن میں آیا تھا۔ پھر اسے یاد نہیں تھا کہ کب خالد آیا تھا اور اس نے کیا کہا تھا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو اس نے خالد کو دیکھا تھا جو قریب ہی آرام کرسی پر سر رکھے اور ٹانگیں پھیلائے سو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت اسے اپنی طبیعت کافی بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ خالد غالباً" رات بھر یہاں ہی رہا ہے۔

وہ بیڈ سے نیچے اترا۔ آہٹ پر خالد نے آنکھیں کھولیں۔

"کیسی طبیعت ہے۔"

"اب تو کافی بہتر لگ رہی ہے۔" وہ واش روم جاتے جاتے رک گیا۔

"ہاں بس آج بھی تین چار گھنٹے باہر بیٹھ جانا رات کو مزید بہتر ہو جائے گی۔" خالد رات بہت دیر تک جاگا تھا اور چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا۔"

"موکلوں نے بتایا ہے۔" اس نے اٹھ کر کھڑکی کے پردے ہٹائے باہر دھوپ کی روشنی تھی۔

"تمہارا ناشتا آ رہا ہے۔ تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ تاکہ میں تمہیں تمہاری دوا کھلا کر گھر جاؤں۔"

بائے دا وے یہ ناشتا کون لا رہا ہے کیا خود چل کر آ رہا ہے۔"

"نہیں۔۔۔ وہ تمہاری کزن۔۔۔ میرا مطلب ہے بیگم راحت کی بھتیجی لا رہی ہیں رفیق کے ساتھ۔"

"کیا مطلب۔"

"اب تیوریاں مت چڑھاؤ۔ رات بارہ بجے تک وہ یہاں ہی بیٹھ کر تمہارے سر پر پٹیاں رکھتی رہی میرے آنے کے کچھ ہی دیر بعد رفیق تمہارے لیے یخنی اور ڈبل روٹی لایا تھا۔ اس نے ہی جا کر بتایا تو وہ آ گئی۔" وہ بغیر کچھ کہے مڑا۔

"یار ہر ایک کو ایک ہی عینک لگا کر مت دیکھو وہ ایک مخلص سی معصوم سی لڑکی ہے اور دیکھو پلیز اب اس کے ساتھ مس بی ہیو مت کرنا۔"

وہ سر ہلا کر واش روم میں گھس گیا۔ تب ہی عینا اندر آئی۔ اس کے پیچھے رفیق تھا جس نے ناشتے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔

"ارحم بھائی کیسے ہیں اب۔۔۔"

"بہتر ہیں۔" ڈاکٹر خالد مسکرایا۔ رفیق ٹرے ٹیبل پر رکھ کر جا چکا تھا۔

"اور آپ کیسی ہیں۔"

"جی میں ٹھیک ہوں۔"

"تو عینا بی بی آپ اب اپنے مریض کو سنبھالیں اور مجھے دیں اجازت۔"

"میں کیسے۔۔۔" وہ گھبرائی۔

"اور آپ ناشتا کر لیں۔ میں آپ کا ناشتا بھی لائی تھی۔" وہ جلدی سے ٹیبل کی طرف بڑھی۔

"چلیں آپ اتنے خلوص سے کہہ رہی ہیں تو ناشتا کر لیتا ہوں یوں بھی ہم خلوص کی قدر کرنے والے لوگ ہیں آپ کے ارحم بھائی کی طرح بے قدرے نہیں ہیں۔" اس نے واش روم سے باہر آتے ارحم کو دیکھ کر بائیں آنکھ کا کونا دبایا۔

"خبیث۔" ارحم نے دل ہی دل میں کہا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"آپ کیسے ہیں اب ارحم بھائی رات تو آپ نے پھر پریشان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ شاید پھر ہاسپٹلائز کرنا پڑے۔"

وہ سادگی سے کہہ رہی تھی اور ڈاکٹر خالد ارحم کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔

"سوری عینا آپ کو میری وجہ سے رات پریشانی ہوئی۔" ارحم بے حد سنجیدہ تھا اسے خالد کا مسکرانا بہت کھل رہا تھا۔

"نہیں نہیں ارحم بھائی اس میں سوری کی کیا بات ہے۔"

عینا کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہاں رکے یا چلی جائے کہ ارحم نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"عینا آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں جا کر آرام کریں بلکہ سو جائیں۔ رات دیر تک آپ کو جاگنا پڑا۔"

"جی۔" عینا تیزی سے مڑی لیکن پھر دروازے کے پاس رک کر ڈاکٹر خالد کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر صاحب دوپہر میں میرا مطلب ہے کھانے میں کیا بناؤں۔"

"میرا خیال ہے آج یخنی اور پھلکا یا سلائس ہی بہتر رہیں گے۔"

"نہیں عینا پلیز میرے لیے تکلیف مت کیجیے گا' میں خود کچھ کر لوں گا۔"

"ارحم بھائی جب تک آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو جاتی آپ کا کھانا وغیرہ اندر سے آئے گا بعد میں خود پکانے کا شوق پورا کرتے رہیے گا۔"

"واؤ۔" خالد نے آملیٹ سلائس پر رکھ کر اس کا رول بناتے ہوئے ارحم کی طرف دیکھا جو اسے ہی گھور رہا تھا۔

"یہ تمہارے دانت کس خوشی میں نکل رہے تھے؟"

"تمہاری خوشی میں جو تمہارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔"

"بکو مت اور الٹے سیدھے اندازے مت لگاؤ۔"

"چلو نہیں لگاتے اندازے۔" اس نے شرافت سے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

"ارے کہاں جا رہے ہو ناشتا تو کر لو مکمل۔"

"تو ایک اور آگئی۔" وہ اپنے فون کی طرف دیکھ رہا تھا جو بلنک کر رہا تھا۔

"کیا؟" ارحم نے حیرت سے پوچھا۔

"میری بیوی کی مس کال۔ رات سے سائلنس پر ہے ورنہ تم سو نہ پاتے۔ تو میری جان میں چلا تم ناشتے کے بعد دوائیاں سب یاد سے لے لینا۔ میری بیوی پہلے ہی ان دو تین دنوں میں خاصی مشکوک ہو چکی ہے۔ آج رات ہرگز نہیں آنے دے گی خبردار آج بیمار ہونے کی کوشش مت کرنا اور اگر تمہارا رات باہر گزارنے کا پروگرام ہے تو مجھ غریب کی خاطر اسے کینسل کر دو۔ ورنہ تمہاری بھابھی۔ ہائے۔۔۔ تم جانتے ہو نا۔" اس نے چائے کا ایک بڑا گھونٹ بھرا اور باہر کی طرف لپکا۔

ارحم کا ناشتے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے ایک کپ دودھ پی کر دوا لے لی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ رات بھر سوتا رہا تھا پھر بھی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سو گیا تھا۔ دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو عینا رفیق کو ناشتے کے برتن اٹھانے کا کہہ رہی تھی۔ شاید اس کی آنکھ اس کی آواز سے کھلی تھی۔ لیٹے لیٹے اس نے تکیے کے پاس پڑی ریسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ دو بج رہے تھے۔

"اوہ میں اتنی دیر سویا۔" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا اور درد بھی نہیں ہو رہا تھا۔ عینا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"کافی بہتر لگ رہی ہے۔"

"آپ ناشتا کیے بغیر ہی سو گئے تھے۔ میں کھانا لائی ہوں آپ کے لیے۔"

"شکریہ مجھے اس وقت بھوک محسوس ہو رہی تھی۔" اس نے پاؤں بیڈ سے نیچے رکھے۔

"ارے آپ تو پسینے میں بھیگے ہوئے ہیں۔ میں باہر جا رہی ہوں آپ اچھی طرح پسینہ صاف کر کے چینج کر لیں۔ اماں کہتی ہیں پسینے میں ہوا لگ جائے تو درد جوڑوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"میں نے دیسی چوزے کی یخنی کے ساتھ مونگ کی پتلی تڑکے والی دال بنوائی ہے معمولی نمک مرچ ڈال کر ساتھ پھلکے ہیں۔"

ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"تو یہ اس کی خوشبو تھی جس نے مجھے بھوک کا احساس دلایا۔"

"اکرم پھپھو کو ایئرپورٹ پر لینے گیا ہوا ہے آپ کھانے کے بعد دوا ضرور کھا لیجیے گا پلیز۔" یکدم ہی اس کی مسکراہٹ بجھ گئی۔

"ٹھیک ہے' لیکن عینا پلیز۔ آپ اب مت آیئے گا اور مزید تکلیف مت کیجیے گا۔ بیگم راحت کو پسند نہیں آئے گا اور میں نہیں چاہتا کہ انہیں مزید کوئی کہانی کری ایٹ (تخلیق) کرنا پڑے۔" عینا نے ایک نظر اسے دیکھا اور بنا کچھ کہے باہر نکل گئی بہرحال ابھی وہ بیگم راحت کے ردعمل کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی لیکن اتنا بہرحال اسے اندازہ تھا کہ وہ پسند نہیں کریں گی اور ایسا ہی ہوا تھا۔ انہوں نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہی سب سے پہلی بات یہی کہی تھی۔

"سنا ہے بڑی خدمتیں ہو رہی ہیں ارحم کی۔ سمجھایا تھا تمہیں کہ اس سے دور رہو۔"

"جی پھپھو وہ میں۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں آپ بھی گھر پر نہیں تھیں تو میں ساتھ اسپتال چلی گئی تھی تھوڑی دیر کے لیے بہت طبیعت خراب تھی۔ کوئی ڈاکٹر خالد تھے وہ ہی لے کر گئے تھے ساتھ انہیں۔"

وہ تیز تیز بولتی جا رہی تھی کہ بیگم راحت نے اسے ٹوک دیا۔

"اور تم مجھے فون پر نہیں بتا سکتی تھیں۔ جانتی ہو فراز کتنے ناراض ہوئے میری بے خبری پر۔"

"میں آپ کو بتانے ہی لگی تھی کہ آپ نے فون بند کر دیا اور اس کے بعد دونوں بار آپ کی بات حمیدہ سے ہوئی اور حمیدہ بھی یہی کہہ رہی تھی کہ وہ آپ کو نہیں بتا سکی۔"

"خیر مجھے تو فراز نے ساری تفصیل بتائی اور میں ایک ضروری میٹنگ چھوڑ کر آئی ہوں کہ فراز کا اصرار تھا۔ ورنہ وہ خود آجاتے جبکہ وہاں کا مسئلہ ابھی الجھا ہوا ہے۔" وہ بات کر رہی تھیں کہ ان کا سیل بجنے لگا۔

انہوں نے ادھر ادھر دیکھا حمیدہ نے ڈائننگ پر پڑا فون اٹھا کر انہیں دیا۔

"وہ ہاں ٹھیک ہے بالکل' آپ کو پتا تو ہے فراز اسے بچپن سے ہی ڈراما کرنے کی عادت ہے" وہ بات کرتے کرتے اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھیں۔" ابھی میں شام کو باہر سے آئی تو خالد کے ساتھ باہر جا رہا تھا۔ سلام کرنے کی توفیق تک نہ ہوئی۔ آپ یوں ہی پریشان ہو رہے تھے۔"

"ڈراما۔ وہ ڈراما تو ہرگز نہیں تھا ارحم کی حالت کتنی خراب تھی ڈاکٹر خالد بھی کتنے پریشان تھے۔ اتنا شدید اٹیک ہوا تھا نمونیے کا۔"

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے سوچا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں فراز۔ ڈیل مکمل کر کے ہی آیئے گا۔ میں آ تو گئی ہوں نا۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں ابھی تو ہفتہ بھر یہاں ہی ہوں سعید صاحب دوبارہ میٹنگ کی ڈیٹ بتائیں گے تو ہی جاؤں گی فکر نہ کریں بچہ نہیں ہے وہ اپنا خیال رکھ سکتا ہے۔"

"ہاں ہاں عینا نے بہت خیال رکھا۔ بہت اچھی بچی ہے۔" وہ بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھیں۔

عینا کچھ دیر کھڑی رہی اس کا جی چاہ رہا تھا وہ جا کر ارحم کا حال پوچھ لے لیکن۔۔۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جانتی تھی کہ وہ اس طرح بیگم راحت کی موجودگی میں ارحم کی انیکسی میں نہیں جاسکتی تھی۔ پھر ارحم کا بھی کچھ پتا نہیں تھا کہ کب کس وقت اس کا کیا موڈ ہو۔ اگر دو چار بار اس نے اس سے بات کرلی تھی تو ضروری نہیں تھا کہ وہ پھر بھی بات کرلیتا یوں بھی اس نے خود بھی تو منع کیا تھا وہاں آنے سے اس نے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر اگلے کئی دن تک وہ بے حد مصروف رہی تھی۔

یونیورسٹی اور اس کا ماحول اس کے لیے بالکل نیا تھا پھر روحی جیسی دوست مل گئی تو اس کا اعتماد ذرا سا بحال ہوا وہ سارا وقت روحی کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ ان سارے مصروف دنوں میں اس نے ارحم کو نہیں دیکھا تھا لیکن کئی بار ارحم کا خیال ضرور آیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسا ہوگا۔ اس کی طبیعت ٹھیک ہوئی یا نہیں۔ پتا نہیں وہ یہاں ہے چلا گیا ہے۔ اس رات پڑھتے پڑھتے اسے خیال آیا تو وہ اٹھ کر بالکونی میں آئی انیکسی کی لائٹ جل رہی تھی۔

"تو ارحم بھائی ابھی یہاں ہی ہیں۔" اس نے سوچا کل یونیورسٹی سے آکر وہ صرف خدا بخش سے ان کی طبیعت کا پوچھے گی۔ صبح تو بیگم راحت اس کے ساتھ ہوتی تھیں۔ واپسی پر ڈرائیور اسے لے کر آتا تھا۔ تب ہی اس نے انیکسی سے بیگم راحت کو نکلتے دیکھا تو پریشان ہوگئی۔ کیا ارحم بھائی کی طبیعت خراب ہے۔ اتنے دنوں میں پہلی بار اس نے بیگم راحت کو ارحم کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ وہ ڈنر کے بعد باہر لان میں کچھ دیر واک کرتی تھیں یہ ان کا معمول تھا۔ کبھی تو وہ بھی ان کے ساتھ چلی جاتی اور کبھی اپنا پسندیدہ ڈراما دیکھنے کے لیے بیٹھ جاتی تھی۔ آج وہ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ لیکن اب اس کا پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا تھا اس لیے لائٹ آف کرکے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر بیگم راحت نے اسے بتایا کہ آج دس بجے کی فلائٹ سے وہ کراچی جارہی ہیں۔ دس بارہ دن لگ جائیں گے۔ وہ صائم اور انکل فراز کے آنے سے پہلے یقیناً" واپس آجائیں گی۔ اسے صائم کے آنے کا سن کر خوشی ہوئی تھی۔ فون پر دو تین بار اس کی بات صائم سے ہوئی تھی تو اس نے بہت بے تکلفی سے بات کی تھی اور کیا پتا وہ یہاں آئے تو ارحم بھی انیکسی سے اندر گھر میں آجائے۔ لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے ارحم صائم کے آنے سے پہلے ہی واپس چلا جائے اس روز وہ ڈاکٹر خالد سے کہہ تو رہا تھا کہ جیسے ہی اس کی طبیعت ٹھیک ہوتی ہے وہ چلا جائے گا وہ اپنی باقی چھٹیاں شاید امریکہ میں گزارے۔

یونیورسٹی سے واپس آکر وہ اندر جانے کے بجائے انیکسی کی طرف آگئی تھی۔ لیکن انیکسی کے دروازے پر وہ جھجک کر رک گئی۔

کہیں ارحم بھائی میرے آنے پر ناراض نہ ہوجائیں وہ مجھے بالکل اچھا نہیں سمجھتے۔ مجھے خدا بخش چاچا سے ہی پوچھ لینا چاہیے تھا۔

اس نے اپنے شولڈر بیگ کو دائیں کندھے سے بائیں پر منتقل کیا۔ تب ہی دھوپ میں آرام کرسی پر نیم دراز ارحم نے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا وہ انیکسی کے باہر دائیں طرف آرام کرسی بچھائے۔ کافی دیر سے دھوپ میں نیم دراز تھا۔ وہ رخ موڑے عینا کو دیکھ رہا تھا جب عینا واپس پلٹنے کا ارادہ کرتے ہوئے مڑی تو اس کی نظر اپنی طرف تکتے ارحم پر پڑی۔

"ارے ارحم بھائی آپ یہاں ہیں۔؟" وہ سب کچھ بھول کر اس کی طرف بڑھی۔ ارحم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔"

"ٹھیک ہوں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"وہ دراصل رات میں نے پھپھو کو انیکسی سے باہر آتے دیکھا تھا تو پریشان ہوگئی تھی کہ کہیں آپ کی طبیعت پھر زیادہ خراب تو نہیں ہوگئی۔ آپ کو برا لگا ہو تو سوری۔"

وہ جلدی جلدی وضاحت دینے لگی تو ارحم نے بغور اسے دیکھا۔

"آپ کی پھپھو یعنی بیگم راحت آپ کے خیال میں میری طبیعت کی خرابی کا جان کر میری مزاج پرسی یا تیمارداری کے لیے آئی تھیں۔ واؤ۔ اس سے بڑا لطیفہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔"

اس کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"وہ تو شاید میری موت کی خبر سن کر بھی نہ آئیں بلکہ شکرانے کے نفل پڑھنے لگیں گی۔" اس کی لبوں پر پھیلی طنزیہ مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

"نہیں پھپھو ایسی نہیں ہیں۔" اس نے کہا نہیں تھا لیکن سوچا ضرور تھا اور اس سوچ کو جیسے ارحم نے پڑھ لیا تھا۔

"آپ کی پھپھو ایسی ہی ہیں عینا بی بی۔" اس کے لب بھینچ گئے تھے۔

"وہ یہاں صرف اس لیے آئی تھیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں وہ مجھے سمجھا رہی تھیں کہ میرا یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ڈیڈی دو تین ماہ تک واپس نہیں آسکتے۔"

"لیکن انکل اور صائم تو پندرہ دنوں تک آرہے ہیں۔" عینا کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"لیکن بیگم راحت نے مجھے باور کرایا تھا کہ مجھے اب خوامخواہ ان کے انتظار میں نہیں رکنا چاہیے۔"

"تو۔ تو آپ چلے جائیں گے۔ انتظار نہیں کریں گے انکل کا۔"

"ارادہ تو یہی تھا کہ کل تک نکل جاؤں گا لیکن۔۔۔۔"

اس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

"آپ کو نہیں جانا چاہیے ارحم بھائی۔ صائم تو صرف آپ کی وجہ سے آرہا ہے ورنہ اس کا ارادہ ان چھٹیوں میں فرانس جانے کا تھا اور انکل بھی۔ پتا نہیں پھپھو نے رات کو جب آپ کو بتایا ہوگا تو انہیں علم نہیں ہوگا لیکن صبح انہوں نے خود مجھے بتایا تھا کہ وہ انکل اور صائم کے آنے سے پہلے واپس آجائیں گی۔"

"کیا بیگم راحت کہیں گئی ہوئی ہیں۔"

"ہاں وہ دس بارہ دن کے لیے کراچی گئی ہیں۔"

"اوہ۔" ارحم نے ہونٹ سکیڑے۔

"تب ہی آپ یہاں اتنی دیر سے۔" عینا جھینپ گئی۔

"وہ آپ نے خود ہی تو منع کیا تھا۔" ارحم خاموش رہا تو عینا نے اس کی طرف دیکھا۔

"تو آپ کل چلے جائیں گے۔"

"نہیں۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔" عینا ایک دم خوش نظر آنے لگی۔

"یہ آپ نے اچھا کیا۔ تب تک آپ کی طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔ کتنے کمزور ہوگئے ہیں آپ۔" ارحم نے کسی قدر حیرت سے عینا کی طرف دیکھا۔ یہ سحر کی بہن تھی۔ لیکن اس سے کس قدر مختلف سادا اور بے ریا سی۔

"اچھا ارحم بھائی میں چلتی ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑی۔ اور پھر رخ موڑ کر اسے دیکھا اور جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ارحم بھائی آپ کے لیے یخنی یا سوپ بنوا دوں۔ دیسی چکن یا پھر میٹ گردن کے گوشت کی یخنی اچھی ہوتی ہے۔"

ارحم نے اس کی طرف دیکھا وہ بہت آس سے دیکھ رہی تھی۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے سر ہلا دیا۔ پتا نہیں کیوں وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ بیگم راحت کی بھتیجی اور سحر جلال کی بہن تھی۔ عینا کے چہرے پر یکدم خوشی کے رنگ بکھر گئے تھے۔

"تھینک یو ارحم بھائی۔ اور کچھ کھانے کو جی چاہتا ہو تو بتا دیں۔"

"نہیں تھینک یو۔"

"عجیب لڑکی ہے یہ بھی۔" ارحم نے اس کے جانے کے بعد پھر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے سر کرسی کی پشت پر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ اسے یہاں نہیں رہنا تھا۔ وہ ڈیڈی سے ملے بغیر جانا چاہتا تھا لیکن جس طرح بیگم راحت نے اسے فورس کیا تھا کہ وہ چلا جائے اس نے اسے چڑا دیا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ اب وہ یہاں ہی رہے گی چاہے اسے ایک ماہ کی مزید چھٹی بھی لینی پڑے۔ وہ ان کی چڑچڑاہٹ سے محظوظ

ہوا تھا۔

"میں اگر نہ جانا چاہوں تو کیا آپ مجھے یہاں سے دھکے دے کر نکال دیں گی یا پھر کوئی ڈراما کریں گی پہلے کی طرح۔" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بڑے سکون سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ جو نہ جانے کیسے خود پر قابو پائے وہاں کھڑی تھیں۔ اس نے انہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا اور نہ ہی ان کے احترام میں اٹھ کر بیٹھا تھا۔ اسے اب ان ساری باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہاں وہ انہیں اندر آتے دیکھ کر حیران ضرور ہوا تھا۔

وہ جزبز ہوئی تھیں۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے تمہیں نکالنے کی۔ میں نے تو اس لیے پوچھا تھا جانے کا کہ اگر تم اپنے ڈیڈی کا انتظار کر رہے ہو تو فراز حسین کام میں پھنس گئے ہیں تین چار ماہ سے پہلے نہیں آسکتے۔ سو تمہارا چند دن مزید رکنا بے کار ہے۔ ہاں اگر تین چار ماہ تک رہ سکتے ہو تو۔۔۔"

"تھینک یو بیگم راحت اطلاع دینے کا شکریہ۔ اور مجھے اپنا وقت ضائع کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے جب اس نے نگاہ اٹھا کر بیگم راحت کی طرف دیکھا تھا تو ان کے چہرے پر پھیلنے والی بے ساختہ خوشی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی اور اس کے اندر کوئی شعلہ سا بھڑکا تھا۔ "ہرگز نہیں" دل نے کہا تھا۔

"تم بیگم راحت کی خواہش پوری نہ کرو اور یہاں ہی رہو ڈیڈی کے آنے تک۔"

بیگم راحت مطمئن سی چلی گئی تھیں اور اس نے اٹھ کر پیک کیے ہوئے کپڑے اٹیچی سے نکال کر پھر وارڈروب میں لٹکا دیے تھے۔ کبھی کبھی یوں ہی اس کا دماغ خراب ہو جاتا تھا۔ اور اب نہ صرف یہ کہ اپنا جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا بلکہ راحت بیگم کی بھتیجی کی دعوت بھی قبول کر لی تھی۔ اور سوچ لیا تھا کہ جتنے دن وہ یہاں ہے کھانا اندر سے ہی منگوائے گا۔ اور بیگم راحت کو جب پتا چلے گا تو خوب تلملائیں گی۔ اور کیا اس گھر پر میرا حق نہیں ہے۔ لیکن یہ حق میں نے خود ہی چھوڑ دیا تھا۔

جب ڈیڈی کی بیماری پر وہ آیا تھا تو اس نے خود ہی اپنے لیے انیکسی منتخب کی تھی۔ ڈیڈی ناراض بھی ہوئے تھے اور انہیں اس کا انیکسی میں رہنا اچھا نہیں لگا تھا۔ لیکن وہ اس عورت کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا جسے اس نے ماں کا ہی درجہ دیا تھا لیکن جو ماں نہیں تھی۔ "تمہارا کمرہ ایسے ہی ہے جیسا تم چھوڑ کر گئے تھے۔

ارحم۔ تم اپنے کمرے میں کیوں نہیں رہتے۔"

"ڈیڈی پلیز میں آگیا ہوں آپ کے لیے کیا یہ کافی نہیں ہے۔ میں ہوٹل میں نہیں ٹھہرا۔"

"ایسا مت کرو ارحم۔ یہ گھر تمہارا ہے اس پر صرف تمہارا حق ہے۔ کیونکہ یہ تمہاری ماں کے نام ہے۔"

"میں نے اپنے سب حقوق چھوڑ دیے تھے ڈیڈی اس رات جب آپ نے کہا تھا آپ کا صرف ایک بیٹا ہے اس رات میں آپ کا بیٹا نہیں رہا تھا۔"

"میں اس رات کے لیے۔۔۔"

"پلیز ڈیڈی آپ نے کہا تھا کہ آپ ماضی کی کوئی بات نہیں کریں گے۔"

اس روز ہی ڈیڈی اسپتال سے گھر آئے تھے اور وہ اسے بہت کمزور لگ رہے تھے۔ اور اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب ان سے رابطہ رکھے گا اور آتا رہے گا۔ صرف ان کے لیے۔ ورنہ ان کے کاروبار' دولت اور جائیداد سے اسے کوئی واسطہ نہیں وہ بیگم راحت اور صائم کو مبارک ہو۔

وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اور تیز تیز چلتا ہوا انیکسی کے دروازے کو دھکیلتا اندر چلا گیا۔

☆ ☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

۲

دوسرا اور آخری حصہ

عینا نے حمیدہ سے کہہ کر اس کے لیے کھانا بنانے کو کہا تھا۔ اور باہر آ کر اماں کو فون کرنے لگی تھی۔ تیسری بار نمبر ملانے پر انہوں نے فون اٹھایا تھا۔ ان کی تواند گم تھی۔

"اماں آپ ٹھیک ہیں نا" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں تیری مامی ابھی باہر نکلی ہے۔ اور بچیاں اندر ٹی۔وی کے سامنے بیٹھی ہیں۔ باہر نکل

"اماں۔" اور ساتھ ہی فون بند ہو گیا تھا۔ فون بند ہونے سے پہلے اس نے ثنا کی آواز سنی تھی جو اماں کو بلا رہی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"پتا نہیں اماں اس طرح کی باتیں کیوں کرتی ہیں۔" وہ پریشان سی ہو گئی تھی۔

مکمل ناول

آئیں تو بات کرنی مشکل ہو جائے گی۔"

"اماں آپ کے پاس کچھ پیسے ہوں تو موبائل فون منگوا لیں ——— وہ پڑوس میں رشیدہ خالہ کا بیٹا ہے نا اس سے کہیں۔ پھر رات میں جب آپ سونے کے لیے جایا کریں گی تو روز بات کروں گی۔ مجھے آپ کی بہت فکر رہتی ہے اماں۔"

"تو میری فکر نہ کیا کر عینا۔ بس اپنی پڑھائی کر لے پھر تیری پھپھو تیرا رشتہ کروا دیں گی کسی اچھی جگہ تو اپنے گھر کی ہو جائے گی تو میں سکون سے مر سکوں گی۔"

"اماں پلیز ایسی باتیں مت کیا کریں؟؟"

"سن اگر یہاں سے کوئی تمہیں لینے آئے تمہارا ماما مظفر یا ظفر تو ہرگز ہرگز نہ آنا۔ بھلے وہ تم سے کچھ بھی کہیں۔ میری موت کا ہی کیوں نہ بتائیں۔"

تب ہی فون کی بیل ہونے لگی تھی وہ پاس ہی بیٹھی تھی اس نے فون اٹھا لیا۔ دوسری طرف صائم تھا۔

"ہے کیسی ہو عینا۔" وہی بے تکلف انداز۔

"اچھی ہوں لیکن تم شاید بھول گئے ہو کہ میں تم سے دو سال بڑی ہوں۔"

"اوہ ہاں۔" اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

"تھینکس تم نے یاد دلا دیا تو کیا اب میں تمہیں آپا کہہ کر بلاؤں۔" وہ پھر زور سے ہنسا۔

"مجھ سے یہ توقع مت رکھنا۔ ویسے تمہیں یاد دلا دوں دو سال بڑا ہونے کے باوجود تم مجھ سے ڈرتی تھیں تب اور بے وقوف بھی تھیں۔ میرا اچھا خاصا رعب پڑ گیا تھا تم پر ہے نا۔"

وہ سچ کہہ رہا تھا۔ عہنا کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اور ڈیئرنہ ہمارے برادر محترم کا کیا حال ہے۔ کہیں چلے تو نہیں گئے۔"

"نہیں ابھی تو ارحم بھائی لاہور ہی ہیں اور پہلے سے کافی بہتر ہیں۔"

"کاش وہ میرے آنے تک رکے رہیں۔ جانتی ہو مجھے بارہ سال ہوگئے ہیں ان سے ملے ہوئے۔"

"جانتی ہوں۔"

اور پھر چند ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا۔ لیکن اس کے فون نے اس کی اداسی کسی حد تک کم کر دی تھی۔ کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے سوچا وہ سحر کو خط لکھے۔ جب وہ گھوٹی میں تھی تو مہینے دو مہینے بعد سحر کو خط ضرور لکھتی تھی۔ جس میں گزرے مہینے کی پوری تفصیل ہوتی تھی سحر نے اگرچہ خط کا جواب کبھی نہیں دیا تھا لیکن وہ خط ضرور لکھتی تھی۔ ہاں سحر اس کا خط ملنے پر ایک مختصر سا فون ضرور کر دیتی تھی۔ جس سے اسے سحر کی خیریت معلوم ہو جاتی اس سے تو کبھی کبھار ہی بات ہو پاتی تھی ورنہ اماں سے ہی بات کر کے وہ فون بند کر دیتی تھی۔ اب تو چھ سات ماہ ہو گئے تھے اسے خط لکھے ہوئے۔ اس نے قلم اٹھالیا۔ لیکن پھر چند لفظ لکھ کر چھوڑ دیا۔ اتنے دن ہو گئے تھے اسے یہاں آئے آخر سحر تائی پھپھو کو تو فون کرتی ہوں گی اس سے بھی تو بات کر سکتی تھیں۔ صائم نے بھی تو بات کی تھی۔ شاید وہ مصروف ہوں یا پھر پھپھو نے انہیں میرا بتایا ہی نہ ہو۔ اور شاید ان کی اماں سے بھی بات نہ ہوئی ہو۔ چلو کل خط لکھوں گی۔ اس نے کتاب اٹھائی اور پڑھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ کرسی کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موندے غلام علی کی غزل سن رہا تھا۔

ہم تیرے شہر میں آئے ہیں مسافر کی طرح
صرف اک بار ملاقات کا موقع دے دے
میری منزل ہے کہاں میرا ٹھکانہ ہے کہاں
صبح تک تجھ سے بچھڑ کر مجھے جانا ہے کہاں
سوچنے کے لیے اک رات کا موقع دے دو
ہم تیرے شہر میں آئے ہیں مسافر کی طرح
اپنی آنکھوں میں چھپا رکھے ہیں جگنو ہم نے
اپنی پلکوں پہ سجا رکھے ہیں آنسو ہم نے
آج کی رات میرا درد محبت سن لے
کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کی شکایت سن لے
بھولنا ہی تھا تو اقرار کیا ہی کیوں تھا

دروازے پر دستک ہوئی تھی اور پھر عہنا نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ اس نے کانوں سے ہیڈ فون نکال کر عہنا کی طرف دیکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اب بھی گنگنا رہا تھا۔

بھولنا ہی تھا تو اقرار کیا ہی کیوں تھا
صرف دو چار سوالات کا موقع دے دے
ہم تیرے شہر میں

"آپ کی آواز میں بہت سوز ہے ارحم بھائی۔" عہنا دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔

"وہ بھی یہی کہتی تھی۔" اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کون چاندنی۔" عہنا کے لبوں سے بے اختیار نکلا تو ارحم چونکا۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھ جائیں عہنا؟"

"آپ کو چاندنی سے بہت محبت تھی ارحم بھائی۔"

"تم۔ آپ کیسے جانتی ہیں عہنا چاندنی کو۔"

"سوری ارحم بھائی جب آپ بیمار تھے تو آپ نے کئی بار چاندنی کا نام لے کر بات کی تھی۔ میں نے آپ کو بتایا بھی تھا شاید۔"

"ہاں۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر عہنا کو بغور دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں تاسف تھا۔ دکھ تھا اس کے لیے۔

"وہ میرے لیے کیا تھی شاید میں کبھی کسی کو بتا نہیں پاؤں گا۔ وہ میرے روئیں روئیں میں بس چکی

تھی۔" اس نے جیسے خود کلامی کی۔ اور عینا کی طرف دیکھا جو ابھی تک کھڑی تھی۔

"وہ میں پوچھنے آئی تھی ارحم بھائی آپ نے دن میں کھانا نہیں کھایا حمیدہ نے مجھے ابھی بتایا ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"ٹھیک ہے عینا۔ بس بھوک نہیں تھی مجھے اور آپ میرے لیے پریشان مت ہوا کریں پلیز۔ میں عادی نہیں ہوں اس طرح کے التفات کا۔"

"پلیز ارحم بھائی اس طرح اجنبیوں کی طرح بات مت کیا کریں۔"

"تو کیا میں آپ کے لیے اجنبی نہیں ہوں کیا رشتہ ہے میرا آپ سے۔"

"ٹھیک ہے میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ارحم بھائی لیکن آپ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تب بھی آپ میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔ سحر آپی آپ کا اتنا ذکر کرتی تھیں کہ جب آپ گاؤں آئے تو مجھے بہت اچھے لگے تھے۔ ابا کے بعد پہلی بار کسی نے مجھ سے اس طرح بات کی تھی اتنی شفقت اور اتنی محبت سے۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی۔

"میں آپ کو کبھی نہیں بھولی۔ میں نے آپ کو ہمیشہ یاد کیا۔

مجھے یاد ہے جب میں یہاں آئی تھی تو آپ گھر کے اندر رہتے تھے اور ان دنوں آپ کتنے خوش رہتے تھے اور آپ نے مجھے کتنا گھمایا تھا۔ آپ کو یاد ہے نا۔"

"نہیں مجھے کچھ یاد نہیں ہے عینا۔ میں سب بھول چکا ہوں پلیز۔ مت دہراؤ وہ سب، گزر چکا ماضی بن چکا۔" وہ جو ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا یکدم اس نے عینا کی طرف دیکھا۔ عینا کی نم آنکھوں کی طرف اور پھر یکدم ہی نظریں جھکالیں۔

"آپ جائیں عینا پلیز اور مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

"تاکہ آپ میرے جانے کے بعد ڈرنک کریں لو۔۔۔" ارحم نے چونک کر اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"غم اس طرح ہلکا نہیں ہوتا ارحم بھائی دکھ تو کہہ دینے سے ہلکے ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کو اپنے دل کا حال نہیں بتایا۔ میں جانتی ہوں۔"

"مجھے بتائیں آپ دیکھیں گے کہہ دینے سے۔"

"آپ کیا جاننا چاہتی ہیں عہنا۔" ارحم کی آواز مدھم تھی۔

"وہ سب جو آپ کے دل میں ہے جو آپ نے کسی سے نہیں کہا۔" عہنا مسکرائی۔

"وہ سب۔" اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبایا۔

"وہ سب جو میرے دل میں ہے اگر میں نے آپ سے کہہ دیا تو آپ سہار نہیں سکیں گی۔"

عہنا لحہ بھر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"اچھا چلیں آپ مجھے چاندنی کے متعلق بتائیں۔"

اس کا انداز بڑا دوستانہ تھا۔ ارحم کو حیرت ہوئی۔ ابھی تین دن پہلے تو وہ اس سے ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی میں آپ کے لیے سوپ اور کھانا بھجوا دوں اور آج اتنے استحقاق سے بات کر رہی ہے۔ یہ لڑکیاں بھی بس ایسے ہی ہوتی ہیں ذرا سی لفٹ کراؤ تو کمبل ہی ہو جاتی ہیں۔ اس کے اندر کڑواہٹ گھلنے لگی۔

"تو ارحم بھائی۔" وہ دروازے کے پاس سے ہٹ کر صوفہ چیر پر بیٹھ گئی۔

"بتائیں نا یہ چاندنی کون تھی اور کہاں ملی آپ کو۔"

"میری زندگی میں آنے والی سب عورتیں میرے لیے کاغذ کی بنی ہوئی تحریریں ہیں۔ بے فیض اور بے رنگ۔ چاندنی بھی ایسی ہی ایک تحریر تھی اور پلیز اب آپ جائیں میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" نہ جانے کیا کچھ یاد آگیا تھا اور کیا کچھ تکلیف دے رہا تھا۔ عہنا نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی اور وہ ہونٹ بھینچے جیسے کسی اذیت کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے ارحم بھائی میں جا رہی ہوں لیکن پلیز اپنے آپ کو تکلیف مت دیجیے گا۔"

وہ دوبارہ صاف صاف نہ کہہ سکی تھی کہ وہ ڈرنک نہ کرے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ آس پاس کہیں کوئی بوتل وغیرہ نہیں پڑی تھی۔ اسے ڈرنک کرنے والوں سے نفرت تھی لیکن ارحم کو اس نے خود ہی مارجن دے کر اسے اس لسٹ سے نکال دیا تھا۔

ارحم بھائی چاندنی کو بھلانے اور اپنا غم غلط کرنے کے لیے ڈرنک کرتے ہیں۔ اور پھر اتنے دن ہو گئے تھے اس نے انہیں نشے میں زور زور سے بولتے یا گالیاں دیتے نہیں سنا تھا۔ اور پھر اس نے ہمیشہ ہی انہیں آئیڈیلائز کیا تھا۔ اس کے نزدیک وہ بہت اچھے تھے اور ان جیسا کوئی نہیں تھا۔ نہ ماموں نہ ظفر بھائی نہ مظفر۔ ظفر بھائی کا خیال آتے ہی اس نے جھرجھری لی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

ارحم نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ زخموں کے ٹانکے کھل گئے تھے اور کھلے زخم تکلیف دے رہے تھے۔ اور پتا نہیں۔ کب یہ زخم بھریں گے کب میں اسے اور اس اذیت کو بھول پاؤں گا۔ اتنے سال گزر گئے اجنبی سرزمینوں کی خاک چھانتے صحرانوردی کرتے لیکن وہ اذیت اسی طرح تازہ ہے اور وہ اسی طرح دل میں براجمان ہے۔ کاش وہ مجھ سے کہہ دیتی۔ میں مجبور ہوں ارحم۔ تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ تو میں خاموشی سے اس کے راستے سے ہٹ جاتا۔ وہ مجھے کہتی میں اپنا سر کاٹ کر اس کے قدموں میں رکھ دیتا لیکن وہ میرے ساتھ ایسا نہ کرتی مجھے یہ سزا نہ دیتی۔

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور ایک گہرا درد اس کے دل کو جیسے چھیل رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ یونہی بیٹھا جیسے اس درد کو جھیلنے کی کوشش کرتا رہا۔ بہت دیر بعد وہ اٹھا اور کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

باہر ملگجا اندھیرا تھا شام گہری ہو رہی تھی۔ اور اس گہری ہوتی شام میں درختوں کے پتے تیز ہوا سے سرسرا رہے تھے۔ بیتی شاموں میں سے ایک شام جیسے وہاں آکر ٹھہر گئی تھی۔ اس شام وہ وہاں کھڑی تھی لیموں کے پودے کے پاس اور اس نے لیمن کلر کا سوٹ پہنا

ہوا تھا۔ جس پر میرون کڑھائی اور میرون ہی ستاروں کا کام تھا اس شام وہ مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا اور وہ شام اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت شام تھی کیونکہ اسی شام وہیں کھڑے کھڑے اس نے اعتراف کیا تھا۔

"ارحم میں تم سے بہت محبت کرنے لگی ہوں۔ بہت شدید۔ محبت۔" اس سے پہلے اس نے I love You کا کارڈ بھیجا تھا لیکن زبان سے پہلی بار اقرار کیا تھا۔ اور یہ وہ بات تھی جو وہ چاہت کے باوجود اس سے نہ کہہ سکا تھا اور اس نے بہت آسانی سے پلکیں جھپکتے ہوئے کہہ دی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے وہ سچ ہے۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ یکدم اداس ہوئی تھی۔ کچھ دیر پہلے کے چمکتے چہرے پر جیسے یکدم بادل چھا گئے تھے۔

"تم کیا سوچنے لگے ہو ارحم میں شاید تمہارے قابل نہیں ہوں۔ تم ایک امیر باپ کے بیٹے اور میں ایک یتیم غریب لڑکی ہوں دل تو یہ سب نہیں دیکھتا نا۔"

"پلیز اور کچھ مت کہنا۔" اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں تو سوچ رہا تھا کیا میں واقعی اتنا خوش قسمت ہوں کہ تم مجھے چاہو۔"

"ہاں میں تمہیں بہت چاہتی ہوں ارحم۔ مجھے خود نہیں پتا کب کیسے تم میرے دل میں اتر آئے۔" اس نے درخت کے تنے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور ارحم کو لگا تھا جیسے وہ اس وقت دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی ہو۔ جسے پہلی نظر نے پسند کیا تھا اور جو چپکے سے اس کے دل میں اتر آئی تھی وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ اور خوشی سے سرشار ہو کر اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں لیکن مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ محبت کے بچھڑ جانے سے۔ تم مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا زندگی ورنہ میں جی نہیں پاؤں گا۔"

اس شام ہاتھوں میں ہاتھ دیئے وہ بہت دیر تک پچھلے لان میں ٹہلتے رہے تھے۔ حتیٰ کہ شام گہری ہو گئی تھی۔ اور اس شام دونوں نے ایک دوسرے سے ساتھ نبھانے کے عہد کیے تھے۔ عمر بھر اکٹھا رہنے کے لیکن پھر کیا ہوا تھا۔ بیچ راستے میں اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ بڑی بے دردی سے۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ اندر برسات ہو رہی تھی لیکن باہر آنکھیں خشک صحرا بنی تھیں۔

اس نے آنکھوں کو رگڑا اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اور آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سر پیچھے رکھتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔ اور ماضی اپنی تمام تر اذیت کے ساتھ جیسے اس کے اندر زندہ ہو گیا تھا۔

ماضی، جس میں خوشی اور مسرت کے لمحے تو بہت کم تھے لیکن بارہ سال سے وہ ایک اذیت ایک دکھ کے ساتھ جینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کتنا چاہا تھا کہ وہ سب کچھ بھول جائے اپنا اچھا برا بھلا ماضی سب بھلا دے اور صرف حال میں زندہ رہے لیکن نہ اذیت کم ہوتی تھی نہ ماضی بھولتا تھا اور یہ لڑکی عمنا اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ اس سے اپنا غم شیئر کرے۔ اس لڑکی سے جو۔ اور اگر وہ دنیا کی آخری انسان بھی ہوتی تو بھی وہ اس سے اپنا دکھ شیئر نہ کرتا۔ اس عمنا جلال سے جو بیگم راحت کی بھتیجی تھی۔

جب وہ یہ سوچ رہا تھا تو ہرگز نہیں جانتا تھا کہ ایک روز وہ اسی عمنا کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے گا اور وہ سارے آنسو اس کے سامنے بہا دے گا جو اس نے برتاب کر کے اپنے اندر اتار لیے تھے۔ وہ واقعی نہیں جانتا تھا کہ اندر سے وہ کس لمحے کمزور پڑا تھا۔

جب وہ اس کے سر پر پٹیاں رکھ رہی تھی۔ یا جب وہ اس کے ساتھ اسپتال گئی تھی۔ اور اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

یا جب وہ اس کے لیے سوپ بنوا کر بھجواتی تھی یا جب وہ اسے ڈرنک کرنے سے منع کر رہی تھی۔ نہیں بلکہ اس وقت جب اس نے اس کے ہاتھ سے مشروب کا گلاس لے کر کھڑکی سے باہر گرا دیا تھا۔

"نہیں ارحم بھائی میں آپ کو یہ زہر نہیں پینے دوں گی۔ دکھ اور غم اس طرح نہیں بھلائے جاتے۔"

"کس طرح" اس نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"یوں شراب پی کر۔"

"اوہ" اس نے بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ کو سر جھکا کر چھپانے کی کوشش کی تھی اور پھر لمحہ بھر بعد سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری تھیں اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر شاید انہیں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سوری ارحم بھائی آپ کو یقیناً اچھا نہیں لگا ہوگا غصہ آرہا ہوگا مجھ پر لیکن ارحم بھائی۔۔۔ آپ کو نہیں پتا کہ یہ صحت کے لیے کتنی نقصان دہ ہے۔ آپ ایک لڑکی کی خاطر خود کو کیوں تباہ کر رہے ہیں۔ مت کریں اپنے ساتھ ایسا۔ مت سزا دیں خود کو۔" اور رکے ہوئے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے تھے۔ وہ رو رہی تھی۔ وہ ارحم فراز خان کے لیے رو رہی تھی پتا نہیں اس کے آنسو سچے تھے یا جھوٹے لیکن وہ لمحہ تھا جب ارحم کے دل میں اس کے لیے موجود غصہ آپوں آپ ختم ہو گیا تھا۔ اس سے وہ اسے وہی عینا لگی تھی کھیت کی منڈیر پر بیٹھی اپنے دکھ سکھ اس سے شیئر کرتی معصوم سی عینا۔ جو سمجھتی تھی جن کے ابا نہیں ہوتے انہیں کوئی شرارت نہیں کرنا چاہیے۔

"او کے عینا آپ روئیں تو مت، ٹھیک ہے آئندہ کوشش کروں گا کہ ڈرنک نہ کروں۔"

"پرامس" وہ روتے روتے مسکرا دی تھی۔

"ہاں پرامس۔"

اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ اور شاید یہی وہ لمحہ تھا جب وہ اسے بہت معصوم بہت سادہ لگی تھی۔ اور اس روز اس نے عینا سے دوستی کر لی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس نے اسے تنبیہہ بھی کر دی تھی کہ وہ اس سے اس کی ذاتی زندگی یا چاندنی کے متعلق کوئی بات نہیں کرے گی۔

"ہاں نہیں کروں گی لیکن آپ بھی ڈرنک نہیں کریں گے۔" اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"اگر میں آپ سے وعدہ کر لوں کہ میں ڈرنک نہیں کروں گا اور میں پھر بھی ڈرنک کرتا رہوں تو رات میں دن میں کسی وقت جب آپ نہ ہوں یا جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا تب۔"

"مجھے یقین ہے ارحم بھائی اگر آپ نے وعدہ کر لیا ہے تو پھر ضرور پورا کریں گے۔" اس کی آنکھوں میں اتنا یقین تھا اتنا اعتماد کہ وہ حیرت زدہ رہ گیا ہے۔

"آپ کو مجھ پر اتنا یقین ہے عینا حالانکہ میں آپ سے اپنی زندگی میں اس سے پہلے صرف دو بار ملا ہوں تب آپ بچی تھیں۔۔۔ آپ مجھے کتنا جانتی ہیں۔"

"میں آپ کو جتنا بھی جانتی ہوں ارحم بھائی مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تو اسے کبھی نہیں توڑیں گے۔"

"فرض کریں عینا اگر کوئی آکر آپ سے کہے کہ ارحم کسی شراب خانے میں بیٹھا پی رہا ہے اور۔۔۔"

اس کی آواز ٹوٹی ہوئی سی تھی۔ عینا نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی تھی اور فوراً کہا تھا۔

"میں بالکل یقین نہیں کروں گی ارحم بھائی بالکل بھی نہیں میں اس سے کہوں گی کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ارحم بھائی کبھی ایسا نہیں کر سکتے کبھی نہیں کیونکہ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔"

اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ وہ یکدم کھڑا ہوا اور رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اور انہوں نے اس کا یقین نہیں کیا تھا۔ وہ جو اس کے اپنے تھے اس کے ڈیڈی اور وہ۔۔۔

نہیں وہ تو خود اس ڈرامے کا ایک کردار تھی اور اس نے خود ہی تو بیگم راحت کے ساتھ مل کر یہ سارا ڈراما ترتیب دیا تھا۔ کیوں۔۔۔ وہ آج بھی اس کا جواب نہیں جانتا تھا اور اس روز کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"لیکن انہوں نے میرا اعتبار نہیں کیا تھا عینا۔"

"انہوں نے۔" اس نے مڑ کر دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"پلیز عینا مجھے تنہا چھوڑ دیں۔۔۔ پر اس میں

ڈر تک نہیں کروں گا اور میں ضرور کسی روز آپ سے وہ سب شیئر کروں گا جو آپ جاننا چاہتی ہیں لیکن اس وقت نہیں۔"

"ٹھیک ہے ارحم بھائی۔"

عینا خاموشی سے انیکسی سے چلی گئی تھی اور اسے اپنے ہی کے لفظوں پر حیرت ہوئی تھی کہ ابھی دو دن پہلے تو وہ سوچ رہا تھا کہ عینا اگر اس دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوئی تو۔

ایک گہری سانس لے کر وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا تھا اور ماضی ایک بار پھر اپنی پوری جزئیات کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

اسے بیگم راحت کے ساتھ کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا تھا۔ اپنی پڑھائی اور اپنا کمرہ لیکن صائم سے اسے بہت محبت تھی۔

وہ کتنا بھی مصروف ہوتا صائم کے لیے وقت ضرور نکال لیتا۔ اس کے ساتھ گیمز کھیلتا اسے گھمانے لے جاتا اور اس سے باتیں کرتا۔ زندگی بس ایسے ہی گزر رہی تھی۔ چھٹی والے دن تو صائم سارا وقت اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ ڈیڈی بیگم راحت سے ہنس کر کہتے۔

"لگتا ہے تم نہیں ارحم صائم کی ماں کا کردار ادا کر رہا ہے۔" اور بیگم راحت بھی مسکرا دیتی تھیں۔

"دونوں بھائیوں کی محبت دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے اللہ کرے یہ محبت ہمیشہ قائم رہے۔"

سحر کے آنے کی اطلاع اسے صائم نے ہی دی تھی۔

اس روز صائم اس کے کمرے میں پلے اسٹیشن پر کوئی گیم کھیل رہا تھا کہ اچانک اس نے ارحم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بھائی آپ سحر آپی سے ملے۔"

اس نے کتاب سے نظریں اٹھا کر صائم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"کون سحر۔"

"ہمارے ماموں کی بیٹی اور کون۔" صائم ہنسا تھا۔

تب صائم اتنا چھوٹا تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ ارحم اس کا سوتیلا بھائی ہے۔ شاید بیگم راحت نے اسے تب تک نہیں بتایا تھا۔

"وہ اب یہاں ہی رہیں گی ہمارے گھر۔ یہاں پڑھنے آئی ہیں۔ گاؤں میں اچھے اسکول اور کالج نہیں ہیں نا۔"

یہ اطلاع بھی اسے صائم نے ہی دی تھی اور اس نے سرسری انداز میں سنا تھا۔ اس نے ایک دو بار بیگم راحت سے سنا تو تھا اپنی بھابھی اور بھتیجیوں کا ذکر کرتے اور وہ کبھی کبھار ان سے ملنے گاؤں بھی جایا کرتی تھیں، لیکن وہ لوگ کبھی ادھر نہیں آئے تھے اور وہ سحر کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ کتنی بڑی ہے اور کس کلاس میں پڑھتی ہے۔ خود وہ یو ای ٹی میں پڑھ رہا تھا۔ وہ انجینئر بننا چاہتا تھا اور ڈیڈی نے اس کی خواہش کو اہمیت دی تھی حالانکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ ایم بی اے کرے، لیکن اس کے ذہن میں تھا کہ اسے انجینئر بننا ہے شاید جب وہ چھوٹا تھا تو اس کی ماما کہا کرتی تھیں میرا بیٹا بڑا ہو کر اپنے ماموں کی طرح انجینئر بنے گا اس کے اکلوتے ماموں جو انجینئر تھے۔ ینگ ایج میں ہی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے تھے۔ ماما کو ان سے بہت محبت تھی۔

اس نے اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پر سرسری انداز میں اسے دیکھا تھا۔ وہ بیگم راحت کے دائیں طرف دوپٹا اچھی طرح لپیٹے بیٹھی تھی اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"یہ سحر ہے ارحم۔" بیگم راحت نے تعارف کروایا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ سلام کر کے جلدی جلدی ناشتا کر کے چلا گیا تھا۔ اور پھر اگلے چھ ماہ تک اس کی یہی روٹین رہی تھی۔ کھانے کی ٹیبل پر وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی ہوتی تھی۔ وہ صائم یا ڈیڈی سے باتیں کرتا ہوا کھانا ختم کر کے چلا جاتا تھا اس نے کبھی دھیان سے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی براہ راست اس سے بات ہوئی تھی۔ پھر وہ کبھی کبھی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی یا بیگم راحت اور صائم سے باتیں کرتی نظر آنے لگی تھی، لیکن تب بھی اس نے

نظر اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ اگر سامنے بھی ہوتی تو وہ نظریں جھکائے رکھتا تھا۔ کبھی دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اسے وہاں آئے تقریباً" سال ہو گیا تھا جب ایک روز صائم نے اس کے بیڈ پر اس کے قریب لیٹتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"بھائی یہ جو سحر آپی ہیں نا وہ کہہ رہی تھیں، تمہارے ارحم بھائی بہت اچھے ہیں۔"

"وہ تو خیر میں ہوں۔" اس نے صائم کو گدگدی کی تھی۔

"ہاں تو میں نے بھی یہی کہا تھا، لیکن وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ انہیں بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ ہنس دیا تھا۔

وہ سانولے رنگ کا ایک پرکشش لڑکا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں بلا کا سحر تھا اور اس کی شخصیت میں ایک خاص مقناطیسیت تھی اس نے یونیورسٹی میں اکثر لڑکیوں کو خود کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تھا، لیکن اسے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ اپنے آپ میں مگن رہتا تھا اور یہ بے نیازی اسے اور بھی اٹریکٹو بناتی تھی اور یہ بات وہ جانتا تھا۔

"کیا تم اچھے نہیں لگتے اپنی سحر آپی کو۔" اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"میں تو خیر بہت اچھا لگتا ہوں انہیں، آپ سے بھی زیادہ اور یہ بات مجھے پتا ہے۔ لیکن آپ کو نہیں پتا کہ آپ انہیں اچھے لگتے ہیں اس لیے انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کو بتادوں۔" اور اس نے اپنے دل میں سحر کے لیے انتہائی ناگواری محسوس کی تھی اور وہ اسے پہلے سے بھی زیادہ اگنور کرنے لگا تھا اگر وہ کبھی اکیلی لاؤنج میں بیٹھی ہوتی تو وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اور وہاں رکے بغیر گزر جاتا تھا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ ایک خوش شکل لڑکی ہے لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ وہ مبہوت ہو جائے گا ہمیشہ اپنے آپ کو دوپٹے میں اچھی طرح لپیٹے سر جھکائے بیٹھی رہتی تھی، لیکن اس روز لان میں سفید نقرئی ستاروں سے بجے لباس میں ملبوس وہ اسے کوئی آسمان سے اتری حور لگ رہی تھی۔ وہ کوئی اپسرا تھی یا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ سحر ہی ہے۔

اس روز اس کا جی چاہا تھا کہ وہ اسے دوبارہ دیکھے اور وہ اس کی واپسی تک لاؤنج میں ہی بیٹھا ٹی وی دیکھتا رہا تھا۔ وہ دل پھینک نہیں تھا اس کی یونیورسٹی میں ایک سے ایک خوب صورت لڑکی تھی، لیکن ان میں کوئی بھی سحر جلال جیسی نہیں تھی یا اسے نہیں لگی تھی۔

اس رات پہلی بار سونے سے پہلے بہت دیر تک وہ غیر ارادی طور پر اسے سوچتا رہا تھا اور پھر گزرتے دن کے ساتھ وہ ایک دوسرے کے قریب آتے گئے تھے۔

وہ جو اپنے آپ کو دوپٹے کی بکل میں چھپائے رکھتی تھی لب کھنڈل اس سے بے تکلفی سے باتیں کرتی وہ صائم کے ساتھ کھیل رہا ہوتا تو وہ بھی اس کے یا صائم کے کمرے میں چلی آتی اسے تو پتا بھی نہ چلا تھا کہ کب وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوا اور کب اس کی رفاقت کی چاہ اس کے دل میں پیدا ہوئی ہاں۔ جس روز اس نے اعتراف محبت کیا اس روز اسے لگا تھا جیسے ارحم فراز دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہو کہ دل نے جس کی چاہ کی تھی وہ بھی اسے چاہتا تھا۔ اس اعتراف کے بعد تو زندگی اور بھی خوب صورت ہو گئی تھی۔ پھر کتنے عہد و پیمان ہوئے تھے۔

عمر بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائی تھیں۔ وہ اپنے جذبوں کے اظہار میں بہت بے باک تھی۔ اس کے پاس بے شمار لفظ تھے اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے، لیکن وہ ہمیشہ جھجک جاتا تھا۔ وہ اس کی طرح اپنی محبتوں اور جذبوں کا اظہار نہیں کرپاتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا شاید لفظ ان جذبوں کے اظہار کے لیے بہت تھوڑے اور حقیر ہیں جو جذبے وہ اس کے لیے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ پھر بھی اس کے ہر عمل سے اس کی محبت اور جذبہ جھلکتا تھا اور وہ ان شدتوں کو جانتی تھی اور کئی بار اس نے اس پر فخر کا اظہار کیا تھا کہ وہ کتنی خوش قسمت ہے کہ ارحم فراز کے دل میں بستی ہے اور وہ اسے اتنی شدتوں سے چاہتا تھا، لیکن اس سب جانے کے باوجود اس نے اپنا راستہ بدل لیا تھا اور اسے

احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ بدل رہی ہے۔

وہ خود ان دنوں بے حد مصروف تھا۔ تعلیم ختم کرکے وہ ایک کنسٹرکشن کمپنی میں تجربے کے لیے جاب کررہا تھا اور گھر میں دیر تک ڈیڈی سے اس کی گفتگو ہوتی تھی۔ وہ اپنی ایک کنسٹرکشن کمپنی بنانا چاہ رہے تھے۔ ڈیڈی کے ساتھ ڈسکس کرتے ادھر سے ادھر جاتے وہ اسے دیکھتا تو تسکین سی ہوجاتی۔ دن بھر کا تھکا ہوا وجود پرسکون ہوجاتا۔ وہ اگر اتنا مصروف نہ ہوتا تو شاید جان جاتا کہ وہ بدل رہی ہے۔ وہ تو اس کی نگاہ کی جنبش سے اس کے دل کا حال جان لیتا تھا پھر کیسے نہ جان پاتا' لیکن وہ صبح کا نکلا شام کو گھر آتا تھا۔ اس کی جاب بہت ٹف تھی سائٹ پر جاکر کام کروانا خاصا تھکا دینے والا تھا۔ فراز خان نہیں چاہتے تھے کہ وہ جاب کرے' لیکن وہ جانتا تھا کہ آج یہاں جو تجربہ اسے حاصل ہوگا وہ کل اپنی کمپنی میں اس کے بہت کام آئے گا۔

ان دنوں سحر اپنے امتحان سے فارغ ہوکر گاؤں گئی ہوئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس پروجیکٹ سے فارغ ہوکر وہ ڈیڈی سے سحر کے متعلق بات کرے گا' لیکن اس سے پہلے سحر اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اپنے آفس کے لیے دو تین جگہیں دیکھ کر گھر آیا تھا اور سحر کو دیکھ کر جیسے اس کی ساری تھکن ختم ہوگئی تھی۔

"تم آگئی ہو سحر۔"

"ہاں۔" وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"پھپھو میری شادی کررہی ہیں۔"

"نہیں۔" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"ایسا نہیں ہوسکتا' میں خود مما سے بات کرتا ہوں۔"

"میں پھپھو کے کسی بھی فیصلے کو رد نہیں کرسکتی۔ ہمارا سر ان کے احسانوں سے جھکا ہوا ہے۔"

"تم کچھ نہ کرنا سحر صرف میرا ساتھ دینا۔ تمہاری رائے پوچھی جائے تو میرے حق میں فیصلہ دینا۔ بس اور اداس مت ہونا پریشان مت ہونا ڈیڈی دو تین روز تک کراچی سے آجائیں تو میں ان سے بات کروں گا۔

ڈیڈی مما کو منالیں گے مجھے یقین ہے میری جاندنی تمہیں کچھ بھی نہیں کہنا پڑے گا اور یہاں سنو ان خوب صورت آنکھوں میں آنسو نہ آئیں' بالکل بھی نہیں۔" اور آج اتنے سالوں بعد وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ اداس یا پریشان بالکل نہ تھی صرف اداس ہونے کی ایکٹنگ کررہی تھی۔

سحر کو تو اس نے تسلی دے دی تھی' لیکن خود بہت بے چین بہت مضطرب تھا۔ اسے یقین تھا پھر بھی پوری دو راتیں اسے نیند نہیں آئی تھی اور وہ صبح اٹھ کر سائٹ پر چلا جاتا تھا۔ پراجیکٹ تکمیل کے مراحل میں تھا اس لیے کام بہت تھا۔ اس روز بھی وہ بہت دیر سے آیا تھا اور سحر کو دیکھنے کی خواہش دل میں چھپائے وہ ذرا دیر کے لیے ہی بیڈ پر لیٹا تھا اور اس کی آنکھ لگ گئی تھی وہ دو راتوں کا جاگا ہوا اور تھکا ہوا تھا اس لیے سویا تو پھر آنکھ شور پر ہی کھلی تھی اور پھر کمرے کا منظر چند لمحے تو اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا کہ کیا ہورہا ہے۔

"ڈیڈی آپ کب آئے۔" اس نے ڈیڈی' سحر اور بیگم راحت کو حیرت سے دیکھا تھا۔ پاس ہی صائم بھی کھڑا تھا۔

"تم۔ تم ارحم۔" ڈیڈی اس کے قریب آئے تھے۔

"یہ سب کیا ہے۔" انہوں نے ٹیبل پر پڑی بوتل کی طرف اشارہ کیا تھا جو آدھی خالی تھی پاس ہی گلاس تھا جس میں چند گھونٹ تھے۔ ایک خالی بوتل کارپٹ پر گری ہوئی تھی۔

"کیا ہے ڈیڈی۔" وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"نشے میں ہے ابھی تک۔"

بیگم راحت کی نظروں میں کیا تھا ایسا کہ وہ چونکا۔ اس نے سب کے چہروں کی طرف باری باری دیکھا تھا۔

"ہم کب سے یہ سب۔"

"ڈیڈی مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ آپ سب لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہیں اور یہ کیا ہے۔ یہ بوتلیں کس نے رکھی ہیں یہاں۔

"ارحم تم جھوٹ بھی بولو گے اب سب کچھ تو سامنے ہے۔ تمہاری الماری میں اس خبیث چیز کا اسٹاک کیا کسی اور نے کر رکھا ہے۔"

اس نے وارڈ روب کے ساتھ ہی موجود الماری کے طاق کو وا دیکھا تھا اور تیزی سے الماری کی طرف بڑھا تھا۔ وہاں شراب کی کئی بوتلیں پڑی تھیں۔

"نہیں مجھے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتا انہیں کس نے یہاں رکھا ہے۔ ڈیڈی پلیز اس طرح مت دیکھیں مجھے کیا آپ کو اپنے بیٹے پر یقین نہیں ہے۔"

"نہیں ہو تم میرے بیٹے ایک ہی بیٹا ہے میرا۔"

وہ غصے سے باہر نکل گئے تھے اور ان کے پیچھے ہی بیگم راحت بھی چلی گئی تھیں۔

"صائم۔" اس نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ صائم تھا اس کا بھائی۔ وہ چھوٹا تھا صرف بارہ سال کا، لیکن جینئس تھا۔ وہ اکثر اسے کسی نہ کسی بات پر حیران کرتا تھا۔

"صائم تمہیں تو یقین ہے نا کہ۔۔۔" اور صائم بھی بنا کچھ کہے ڈیڈی کے پیچھے چلا گیا تھا۔

"نہیں۔" وہ بے یقینی سے صائم کو جاتے دیکھ رہا تھا ہاں وہ کھڑی تھی سحر۔

"چاندنی۔" وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اور۔۔۔ وہ اس کے یقین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے چلی گئی تھی۔ وہ ساری رات روتا رہا تھا اور کوئی ہاتھ اس کے آنسو پونچھنے کے لیے نہیں بڑھا تھا۔

"کب، کب بھول پاؤں گا یہ سب۔ جو دل میں کسی انی کی طرح گڑھا ہے اور مسلسل اذیت دیے جاتا ہے۔ کاش۔۔۔ کاش کوئی مجھے بتا سکتا کہ اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا اور یہ لڑکی عینا جو اسی سحر جلال کی بہن ہے کیوں چاہتی ہے کہ میں اپنے غم اس سے شیئر کروں اور کیا ایسا کرنے سے واقعی یہ جلن کم ہو جائے گی جو بارہ سالوں سے تڑپاتی اور جلاتی ہے۔"

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

اس نے جلتی آنکھوں کو کئی بار کھولا اور بند کیا اور پھر یک دم اٹھ کر اینکسی کے دروازے کھلے چھوڑتا باہر نکل گیا۔ عینا نے اپنے ٹیرس سے اسے تیز تیز چلتے ہوئے گیٹ کی طرف جاتے دیکھا اور آواز دی، لیکن وہ اس کی آواز سنے بغیر گیٹ سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ یونیورسٹی سے آئی تو لاؤنج میں مظفر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ارے مظفر تم کیسے آئے۔"

مظفر ناصر ماموں کا بیٹا تھا۔ عمر میں اس سے چھوٹا تھا یہی کوئی انیس بیس سال کا ہوگا، لیکن قد کاٹھ بڑا تھا اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا۔

"تمہیں لینے آیا ہوں پھپھو نے بھیجا ہے۔" اماں کے بار بار ٹوکنے کے باوجود وہ اسے آپا یا باجی نہیں کہتا تھا بلکہ نام سے مخاطب کرتا تھا۔ اسے ہی نہیں اپنی تینوں بڑی بہنوں کو بھی وہ اس طرح مخاطب کرتا تھا۔

"جلدی سے سامان پیک کر لو اور چلو میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔"

"اماں ٹھیک ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہیں بھلا کیا ہوتا ہے انہیں۔" اپنی بات کرکے شاید اسے کوئی خیال آیا تھا کہ اس نے خود ہی اپنی بات کی تردید کر دی تھی۔

"وہ کچھ بیمار رہتی ہیں اس لیے بلایا ہے تجھے۔ اچھی بیٹی ہے تو بیمار ماں کو چھوڑ کر ادھر آ بیٹھی ہے۔"

"مظفر۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی اسے ایک دم یاد آیا تھا کہ اماں نے اسے کیا تاکید کی تھی۔

"جلدی کر اب کب سے آیا بیٹھا ہوں تیرے انتظار میں۔ تو پتا نہیں کہاں سیریں کرتی پھر رہی تھی۔"

"لیکن مظفر میں ابھی نہیں جا سکتی پھپھو گھر پر نہیں ہیں وہ آئیں گی تو میں خود آ جاؤں گی ان کے ساتھ۔ اور میں یونیورسٹی گئی ہوئی تھی۔"

"لیکن میں تمہیں لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ تمہاری اماں نے کہا تھا ہر صورت لے کر آنا۔"

"لیکن میں نہیں جا سکتی مظفر۔ تمہیں اگر جلدی ہے تو چلے جاؤ ورنہ کھانا کھا کر چلے جانا۔"

"کھانا میں کھا چکا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک غصیلی نظر اس پر ڈالتا دروازے کی طرف بڑھا۔ عینا کے دل کو کچھ ہوا تھا اور دل اماں سے ملنے کے لیے مچل اٹھا تھا۔ غیر ارادی طور پر وہ اس کے پیچھے باہر تک آئی۔

"اماں کو میرا سلام کہنا مظفر اور انہیں بتانا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور خوش ہوں۔" اس نے یک دم مڑ کر اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ وہ برآمدے کی آخری سیڑھی پر کھڑی تھی۔

"اگر میں تمہیں یہاں سے زبردستی لے جاؤں تو کون روکے گا تمہیں۔"

"میں روکوں گا تمہیں چھوڑو اس کا ہاتھ۔" ارحم دائیں طرف سے اچانک نمودار ہوا تھا۔ شاید وہ گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

"ارحم بھائی۔" عینا کی آنکھیں یک دم ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"تم کون ہو۔" مظفر کے ہاتھ میں ابھی تک عینا کا بازو تھا۔

"میں جو کوئی بھی ہوں تم۔۔۔" ارحم نے قریب آکر ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ عینا کے بازو سے ہٹایا تھا۔

"نکل جاؤ یہاں سے۔" مظفر نے ایک غصیلی نظر ارحم اور پھر عینا پر ڈالی تھی اور تیز تیز چلتا ہوا گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔

عینا وہیں برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھ کر رونے لگی تھی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا تھا اور رو رہی تھی۔

"عینا۔ عینا پلیز مت روئیں اور بتائیں کون تھا یہ شخص اور اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ آپ کو یہاں سے زبردستی لے جانے کی کوشش کرے۔"

عینا نے روتے روتے سر اٹھا کر ارحم کی طرف دیکھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"وہ۔ وہ مظفر تھا۔"

"آپ جانتی ہیں اسے۔" ارحم اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ماموں کا بیٹا تھا مجھے لینے آیا تھا۔"

"اور آپ نہیں جانا چاہتیں کیونکہ یہاں والی لائف اور لگژری گاؤں میں تو نہیں ہے۔ یہاں یہ اتنی آسائش والی لائف۔" ایک زہرخند مسکراہٹ ارحم کے لبوں پر آئی تھی۔

"حالانکہ آپ تو اپنی اماں کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں اکیلا لیکن ظاہر ہے جب اتنی پر آسائش زندگی سامنے ہو تو اماں۔۔۔"

"نہیں چاہیے تھی مجھے یہ پر آسائش زندگی یہ لگژری لائف۔" وہ ایک دم چیخی تھی۔

"میں اماں کے ساتھ کانٹوں کے بستر پر سو سکتی تھی بھوکی رہ سکتی تھی لیکن۔۔۔"

وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اونچی آواز میں۔ ارحم ایک دم گھبرایا تھا۔

"پلیز عینا مت روئیں۔ سوری میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"آپ نہیں جانتے ارحم بھائی بالکل بھی نہیں جانتے مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں نہ اچھے کھانے کی نہ اچھے کپڑوں کی نہ اس بڑے گھر کی۔ آپ کو کیا پتا میں یہاں اماں کے بغیر کتنی ناخوش ہوں۔" وہ روتے روتے کہہ رہی تھی۔

"میں یہاں نہ پڑھنے آئی ہوں نہ پھپھو کے پاس پر آسائش زندگی کے لالچ میں۔ مجھے تو اماں نے بھیجا ہے یہاں زبردستی مجبور کر کے قسمیں دے کر اور انہوں نے مجھے فون کر کے کہا تھا کہ اگر کوئی مجھے لینے آئے تو میں نہ آؤں چاہے کوئی مجھے ان کی موت کی خبر ہی نہ دے پھر بھی نہیں اور آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں یہاں کسی لالچ میں آئی ہوں۔" اس نے ایک شاکی نظر ارحم پر ڈالی۔

"آپ کو کیا پتا آپ کے اس محل میں میرا کتنا دم گھٹتا ہے دل گھبراتا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کاش میرے پر ہوتے تو میں اڑ کر اماں کے پاس پہنچ جاتی۔" اس کی آواز بھرا گئی اور آنسو پھر اس کے رخساروں پر

اسی روانی سے بہنے لگے تھے اور وہ اس طرح شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ارحم کو اس سے وہ وہی نو سال کی بچی لگی تھی۔ کھیت کی منڈیر پر بیٹھی بڑے یقین سے کہتی ہوئی کہ وہ کبھی اپنی اماں کو چھوڑ کر نہیں جائے گی۔

"او کے۔ او کے عینا پہلے آپ رونا بند کریں پھر مجھے بتائیں کہ کیوں آپ کی اماں نے آپ کو یہاں بھیجا ہے میں واقعی نہیں جانتا عینا۔" وہ اس کے قریب ہی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔

"اماں کا خیال ہے کہ ماہی میری شادی زبردستی مظفر بھائی سے کردیں گی جیسے بھی ممکن ہوا۔ مظفر بھائی کو تو آپ نے دیکھا تھا نا تب۔"

"ہاں وہ جو کچھ تھوڑے ابنارمل سے ہیں۔"

"ہاں، لیکن شادی کے لیے ہر وقت ماہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ ان کی شادی کرا دیں۔ ماہی جانتی ہیں کہ گاؤں میں کوئی انہیں رشتہ نہیں دے گا اور مجھے تو ان سے بہت ڈر لگتا ہے اتنی غلیظ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی میں وہاں ہی رہنا چاہتی تھی اماں کے پاس، لیکن وہ کہتی نہیں وہ بہت کمزور ہو گئی ہیں مجھے بچا نہیں سکیں گی۔ پھر وہاں وہ انس چوہدری ہے کسی زمیندار کا بیٹا ہے ساتھ والے گاؤں سے ہمارے گاؤں آتا ہے کسی دوست کے پاس، اس نے بھی ایک بار راستہ روک لیا تھا۔ وہ تو اماں پیچھے آ رہی تھیں تو ہٹ گیا، لیکن اماں کو اس کا بھی ڈر ہے اس لیے انہوں نے پھپھو کو کہا کہ وہ مجھے ساتھ لے جائیں۔" اس کی پلکیں پھر بھیگنے لگی تھیں۔

"ہم ماموں کے گھر رہتے ہیں۔ ابا کے بعد تایا نے ہمیں گھر سے نکال دیا اور زمین گھر سب پر قبضہ کر لیا اس لیے اماں ماہی اور ماموں کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتیں، لیکن میں پھپھو کے پاس ہوں تو وہ لوگ زبردستی نہیں کر سکتے۔" وہ ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھنے لگی۔

"یہاں اس دنیا میں خون کے رشتوں میں زہر بھرا ہے۔ لوگ اپنوں کے لیے اذیت تکلیف اور پریشانیاں اکٹھی کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ لوگ سانپوں کی طرح ہیں انسانی شکل والے سانپ، یہ سب بہت قابل نفرت ہیں۔ یہ تمہاری ماہی اور تمہارے تایا جیسے لوگوں سے دنیا بھری ہوئی ہے۔" وہ ایک دم تلخ ہوا تھا۔

"یہی وجہ ہے کہ میں ان سے بھاگتا ہوں مجھے لگتا ہے جیسے گھر کی دیواروں اور فرش میں کانٹے بچھے ہیں پاؤں اور بدن سب چھل جاتے ہیں۔"

وہ سر اٹھائے ارحم کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں ارحم بھائی سب لوگ ایسے نہیں ہوتے۔ پھپھو جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں نا محبت کرنے والے چاہنے والے۔ کتنا خیال رکھتی ہیں وہ ہمارا۔"

"پھپھو جیسے۔" اس کے لبوں پر زہریلا سا تبسم بکھرا۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں اپنی پھپھو کو۔ آپ کو کیا پتا کتنا زہر بھرا ہے ان کے اندر خیر۔" اس نے سر جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔

"آپ منہ دھو لیں اور آئیں میں آپ کو اچھی سی کافی پلواتا ہوں۔ روزانہ آپ مجھے کھانا بھجواتی ہیں آج میں آپ کی تواضع کرتا ہوں۔"

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی تھی اسے بہت اچھا لگا تھا۔ ارحم کا اس طرح اس کی بات سننا اور اس سے بات کرنا پھر مظفر کو ڈانٹنا۔

"میں نے آپ کا شکریہ تو ادا کیا ہی نہیں ارحم بھائی۔" دوپٹے سے چہرا اچھی طرح پونچھ کر وہ اس کے پیچھے ہی چل پڑی تھی۔

"کس بات کا۔" ارحم نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"وہ مظفر کو بھگانے کا۔ اگر آپ نہ آتے تو کیا پتا وہ سچ مچ مجھے زبردستی لے جاتا خدا بخش چاچا بھی گیٹ پر نہیں تھے۔ ویسے تو وہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے، لیکن وہ بہت بدلحاظ ہے۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اور آپ کو بھی اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے کہ ڈر جائیں۔"

"تو ویسے آپ کہیں جا رہے تھے۔"

"ہاں خالد کی طرف جا رہا تھا۔"

"تو کافی پھر سہی آپ اپنا پروگرام خراب نہ کریں۔"

"نہیں میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ آئیے۔"
اور اس کے ساتھ ساتھ چلتی وہ لیکسی میں آگئی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے ارحم نے فریج کھولا اور ایک ٹن نکال کر اسے کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔

"میں جب تک کافی اور اسینکس بناتا ہوں آپ اس سے لطف اندوز ہوں۔"
وہ ایک دم پیچھے ہٹی۔

"نہیں وہ۔۔۔" اور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دم ارحم کے لبوں سے قہقہہ نکلا۔

"بے وقوف لڑکی یہ شراب نہیں ہے۔ یہ پڑھو ٹن پر کیا لکھا ہے۔"
عمنا شرمندہ ہوئی۔

"وہ میں۔۔۔"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"جانتا ہوں میں یہ ڈس انفارمیشن کہاں سے آئی ہوگی میں نے کبھی کسی کے سامنے وضاحت نہیں کی۔ اس رات کے بعد سے میں نے کبھی تردید نہیں کی جو کوئی جو سمجھتا رہے، لیکن آپ کو عمنا صرف آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں نے زندگی میں شراب پینا تو در کنار کبھی ایک گھونٹ تک نہیں چکھا۔ حالانکہ اس رات میرا جی چاہا تھا کہ میں پیوں۔ اتنا پیوں کہ مدہوش ہو جاؤں اور خود کو ایسا ہی بنا کر پیش کروں جیسا ڈیڈی نے سمجھا ہے۔ یہ بڑی منفی سوچ تھی۔ عمنا بہت جلد میں اس کے حصار سے نکل آیا، لیکن میرا اندر جلتا ہے۔ آگ بھڑکتی ہے کبھی کبھی اور جی چاہتا ہے سب کچھ تہس نہس کر دوں۔" وہ چونکا اور ٹن اس کی طرف بڑھایا۔
عمنا نے ٹن لے لیا۔ ٹن پر فریش جوس لکھا ہوا تھا۔

"اچھا یہ بتائیں آپ کو پسند ہیں اسینکس۔"

"پلیز ارحم بھائی آپ رہنے دیں۔ میں بس کافی پی لوں گی۔"

"آپ کچھ دیر پہلے ہی یونیورسٹی سے آئی ہیں عمنا اور آپ کو بھوک بھی لگی ہوگی۔"

"حمیدہ نے لنچ نہیں بھیجا آپ کو۔"

"میں نے خود منع کر دیا تھا۔" وہ مسکرایا۔

"ویسے بھی میں سوچ رہا تھا آج اپنے ہاتھ کی پکی ہوئی کوئی چیز کھاؤں۔" اس نے فریزر سے سالسجز کا پیکٹ نکالا اور عمنا کی طرف دیکھا جو ٹن ہاتھ میں لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں یہ سب چیزیں پاکستان آتے ہوئے لے آتا ہوں۔" اس نے فریج سے دو تین ٹن اور نکالے اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ جو لاؤنج سے ملحق تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں اور میرا کمال دیکھیں۔"

"ارحم بھائی۔" وہ اس کے پیچھے ہی کچن تک آئی۔

"مجھے بتا دیں میں کر لیتی ہوں۔" اس نے ارحم کے ہاتھ سے اسینکس کا پیکٹ لینا چاہا۔

"ہوں۔۔۔ ہوں۔" اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"آپ آج میری مہمان ہیں۔"

"ارحم بھائی میں آپ سے چھوٹی ہوں جب آپ مجھے آپ کہہ کر بلاتے ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"چھوٹے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا عمنا مجھے یاد ہے میری ماما مجھے ہمیشہ آپ کہہ کر بلاتی تھیں۔"

"لیکن آپ میری ماما تو نہیں ہیں نا۔" عمنا کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا اور پھر وہ خود ہی جھینپ گئی تھی۔

"سوری وہ ایسے ہی منہ سے نکل گیا۔"

"تو پھر کیا ہوں آپ بتا دیں۔"
پانی ابلنے کے لیے رکھتے ہوئے اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"آپ ارحم بھائی ہیں۔"

"میں آپ کا بھائی نہیں ہوں۔ بلکہ میرا آپ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے آپ جانتی ہیں نا۔" وہ پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"جب دو افراد کے درمیان کوئی رشتہ نہ ہو تو ان کے درمیان دوستی، ہمدردی، خلوص یا محبت کا تعلق یا رشتہ ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کون سا تعلق یا رشتہ ہے

آپ کا میرے ساتھ۔" اس نے ابلتے پانی میں تھوڑا سا آئل ڈال کر اسپگھٹی ڈالیں۔
"ارحم بھائی یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔" وہ اس طرح پریشان سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔
"لو کے۔ آپ پریشان نہ ہوں عمنا۔" وہ ہولے سے ہنسا۔
"بغیر کسی تعلق یا رشتے کے بھی ہم ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں بے تکلفی سے دو اجنبی مسافروں کی طرح۔۔۔ آپ کو اچھا نہیں لگتا تو میں آپ کو تم کہہ کر بلا لوں گا۔ اب آپ ریلیکس ہو کر بیٹھیں میں اپنا کام کرلوں۔"
عمنا واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی اور جوس پیتے ہوئے ارحم اور چاندنی کے متعلق سوچنے لگی۔ ارحم نے کبھی شراب نہیں پی۔ یہ سچ ہے' لیکن پھپھو کا الزام۔ اور وہ چاندنی والی کہانی۔ پتا نہیں اس میں کتنا سچ ہے اور ارحم بھائی نے کہا تھا کہ وہ پھر کسی روز مجھے بتائیں گے چاندنی کے متعلق اور۔۔۔۔
جوس پی کر اس نے خالی ٹن ٹیبل پر رکھا کچن کے کھلے دروازے سے اسے ارحم کچن میں ادھر ادھر جاتا اور کام کرتا نظر آرہا تھا۔ وہ ایک بار پھر اٹھ کر کچن کے دروازے تک آگئی۔
وہ کاؤنٹر پر پڑے کٹنگ بورڈ پر کچھ کر رہا تھا۔ وہ ساسجز کے پیسز کر رہا تھا اور ساتھ میں گنگنا بھی رہا تھا۔ لیکن اس کی آواز آہستہ تھی وہ سمجھ نہ پائی تھی۔
"ارحم بھائی۔" ارحم نے مڑ کر دیکھا اور چولہے پر فرائی پن رکھ کر اس میں آئل ڈالا اور کٹنگ بورڈ سے ساسجز اٹھا کر فرائی کرنے کے لیے فرائی پن میں ڈالے اور جواب دیا۔
"تمہیں سکون نہیں مل رہا وہاں۔ آرام سے بیٹھو۔ تھوڑی سی اور دیر ہے۔ یہاں اس چھوٹے سے کچن میں میرے جیسے لمبے چوڑے بندے کے ساتھ کوئی دوسرا فرد کھڑا نہیں ہو سکتا ورنہ تم سے کہتا کہ تم یہاں کھڑی ہو کر میری حوصلہ افزائی کرتی رہو۔"
"آپ تو پوری شیف لگ رہے ہیں ارحم بھائی آپ کو کسی کی حوصلہ افزائی کی کیا ضرورت ہے۔"
عمنا مسکرائی۔
"وہ لڑکی تو بہت لکی ہو گی ارحم بھائی جس سے آپ شادی کریں گے۔"
"میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر نہیں ہے۔ عمنا بی بی۔"
"یہ مت کہیے ارحم بھائی زندگی صرف اس ایک لڑکی پر ختم نہیں ہو جاتی ارحم بھائی جس نے آپ کو دھوکا دیا آپ سے بے وفائی کی اصل میں اس نے آپ سے محبت کی ہی نہیں تھی۔"
"سچ کہتی ہو تم۔۔۔ کیا تمہیں الہام ہوتا ہے۔ اس نے واقعی مجھ سے محبت نہیں کی تھی۔"
"تو پھر آپ اپنی زندگی کیوں ضائع کر رہے ہیں۔ بھول جائیں اسے۔"
اس نے بے حد گہری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر مڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ عمنا دیوار پر ہاتھ رکھے کچن کے باہر کھڑی تھی۔
"آپ نے کہا تھا آپ مجھے بتائیں گے مجھ سے شیئر کریں گے وہ سب۔ جس نے آپ کو سب سے دور کر دیا ہے۔ وہ دکھ جو اندر ہی اندر آپ کو مار رہا ہے۔"
عمنا ارحم کو دیکھ رہی تھی جو اب ٹرے میں پلیٹیں کانٹے وغیرہ رکھ رہا تھا اور ساتھ ہی گنگنا رہا تھا۔
روداد محبت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیداد مشیت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اس نے یونہی گنگناتے ہوئے ٹرے اس کی طرف بڑھایا۔ عمنا نے ٹرے پکڑ لیا۔
احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
"آپ بہت محبت کرتے تھے نا چاندنی سے کاش وہ آپ کی محبت کی قدر کرتی۔"

ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے عمنا نے آہستگی سے کہا۔

ارحم نے لسپکٹیھی کی ڈش ٹیبل پر رکھی اور عمنا کی طرف دیکھا۔

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کیجیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

"آپ کو شاعری سے بہت لگاؤ ہے ارحم بھائی سحر آپی کو بھی بہت سے اشعار زبانی یاد تھے اور انہوں نے اپنی ڈائریاں بھر رکھی تھیں۔"

فریج کھولتے ہوئے ایک لمحے کو ارحم رکا تھا۔ پھر اس نے سیون اپ کے ٹن نکال کر ٹیبل پر رکھے۔

"میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں تم شروع کرو عمنا۔" وہ واش روم کی طرف جاتے ہوئے بھی گنگنا رہا تھا اور عمنا سوچ رہی تھی یہ ارحم بھائی کی آواز میں کتنا سوز ہے۔

کانٹوں سے بھرا ہے دامن دل شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کیجیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب اپنی حقیقت بھی ساغر بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کیجیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

وہ واپس آیا تو عمنا یونہی ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی تھی۔

"ارے تم نے شروع نہیں کیا۔ شروع کرو اور بتاؤ کیسی بنی ہیں۔"

اس نے خود ہی پلیٹ میں ڈال کر کانٹا اس کی طرف بڑھایا۔

"تو بھئی شروع کرو۔ مجھے تو سخت بھوک لگی ہے۔ کتنے دنوں بعد میں ذرا کچھ مزے کی چیز کھاؤں گا۔ ورنہ وہ تمہارے بھیجے ہوئے سوپ اور یخنیاں پی پی کر تو منہ کا مزا ہی خراب ہو گیا تھا۔"

"ویسے آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے۔" عمنا دل میں آتے خیالات کو جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"پتا نہیں، جو ملے کھا لیتا ہوں۔"

"پھر بھی کچھ تو پسند ہو گا آپ کو مجھے بتائیں تا رات کو وہی بنوا لوں گی۔"

"تم جو کچھ بناؤ گی مجھے اچھا لگے گا ننھی لڑکی گھر کے بنے کھانوں کا ذائقہ مدت ہوئے بھول چکا ہوں۔"

ارحم نے کوئی ایسی بات نہیں کی، پھر بھی عمنا کا دل اندر ہی اندر گداز ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھا رہی تھی۔ ارحم کی پرسوز آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"تم اتنی اداس کیوں ہو عمنا۔" ارحم نے برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ارحم بھائی پلیز رہنے دیں میں اٹھا لیتی ہوں اور دھو کر رکھ دیتی ہوں۔"

"نہیں آج تم میری مہمان ہو اور میں تمہارا میزبان۔ تم بیٹھو، میں فارغ ہو کر آتا ہوں، تو پھر باتیں کرتے ہیں۔ بلکہ گاؤں جانے کا پلان بناتے ہیں۔ میں تمہیں اماں سے ملواؤں گا، بہت دل چاہ رہا ہے نا تمہارا اماں سے ملنے کو۔"

وہ مسکرایا اور برتن اٹھا کر کچن میں چلا گیا۔ یہ ارحم جو آج اس کے سامنے تھا۔ اس ارحم سے کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ جس سے وہ پہلے روز متعارف ہوئی تھی، سخت اکھڑ اور تلخ اور یہ وہ ارحم بھی نہیں تھا جس کا خاکہ پھپھو نے کھینچا تھا۔ بداخلاق، بدکردار۔

یہ تو ایک نرم دل، مخلص انسان تھا۔

وہ یوں ہی سوچوں میں کھوئی رہی، چونکی تو تب جب گرم کافی کے کپ اٹھائے ارحم کچن سے نکلا۔

"کیا تم فلاسفی پڑھ رہی ہو لڑکی۔"

"ہاں۔۔۔ نہیں۔"

عمنا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اردو۔۔۔ اردو میں ماسٹر کر رہی ہوں۔۔۔ دراصل میں نے پرائیویٹ بی اے کیا تھا۔۔۔ بی اے میں میرے پاس یہی مضامین تھے۔ اسلامیات اور اردو۔۔۔"

ایک مبہم سی مسکراہٹ ارحم کے لبوں پر نمودار

ہو کر معدوم ہو گئی۔

"ابا زندہ ہوتے تو شاید میں ڈاکٹر بنتی۔ ابا کو بہت شوق تھا کہ سحر یا میں کوئی ایک ڈاکٹر بنے وہ تو پھپھو کو بھی ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔ لیکن پھپھو کو ایڈمیشن نہیں مل سکا تھا میڈیکل کالج میں۔"

"یہ دنیا ایسی ہی ہے سوئٹ گرل یہاں کسی کو اس کے حسب منشا نہیں ملتا۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم نے اتنے نامساعد حالات میں بھی بی اے کر لیا اور اب ماسٹر کر رہی ہو۔ دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو چاہت کے باوجود ایک لفظ نہیں پڑھ پاتے۔ دو وقت کی روٹی ان کا نصیب نہیں ہوتی۔ میں بہت ملکوں میں گھوما ہوں اور میں نے دنیا کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس کے بدنما چہرے سمیت۔" اس نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا اور بیٹھ گیا۔

"دنیا میں صرف بدنمائی ہی تو نہیں ہے ارحم بھائی خوب صورتی بھی ہے۔"

"ہاں کبھی میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا' لیکن اب نہیں۔ کبھی میرے نزدیک زندگی بھی خوب صورت تھی' لیکن نہیں یہ کبھی بھی خوب صورت نہیں تھی۔"

"آپ نے کبھی اسے خوب صورت بنانے کی کوشش ہی نہیں کی' بس ایک ہی نام کی مالا جپتے رہے اور۔۔۔"

"تم کیا جانو عنا جلال اس نے مجھے اتنا بے بس کر دیا تھا کہ اندر باہر کسی دوسرے نام کی گنجائش نہیں بچی تھی۔" وہ کھو سا گیا تھا۔

"کاش کبھی وہ مجھے ملے تو میں اس سے پوچھوں۔ تم نے یہ ظلم کیوں کیا۔ اتنے اچھے انسان کی زندگی میں خزائیں بکھیر دیں۔ اس نے کیوں کیا ایسا ارحم بھائی وہ پچھتائی تو ہو گی۔"

"تم کیوں میرے زخم کریدنا چاہتی ہو عنا بی بی۔"

"میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں ارحم بھائی۔ اس لیے کہ آپ بہت اچھے ہیں۔ میں چاہتی ہوں آپ چاندنی کو بھول کر نئی زندگی جئیں۔ آپ یہاں تنہا انیکسی میں رہنے کے بجائے اندر اپنے کمرے میں رہیں صائم اور انکل فراز ان سب کی محبتوں کو انجوائے کریں' خود کو۔ ایک لڑکی کی محبت کی خاطر تنہا اور اکیلا مت کریں۔"

"صرف ایک لڑکی کی محبت کی خاطر۔" اس کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔

"نہیں عنا بی بی صرف محبت کی خاطر نہیں میری تمام اذیتوں میں سے سب سے بڑی اذیت رشتوں کا بھرم ٹوٹ جانا اور۔۔۔

وہ سب میرے اپنے تھے جنہوں نے مجھے مصلوب کیا۔ رشتوں کا اعتماد یہ وہ دھوکا ہے' جو ایک مکمل جاتا ہے اور جب رشتوں کا یہ اعتماد اور مان کسی پھٹی پرانی اوڑھنی کی طرح دل سے اتار کر پھینکنا پڑتا ہے تو انسان خلا میں چکرانے لگتا ہے اور ساری عمر چکراتا ہے۔ ان رشتوں اور محبتوں کے بھرم کھلیں تو اندر سے اتنی بلائیں اور خوفناکیاں برآمد ہوتی ہیں' جو جھیلے جانے کے قابل نہیں ہوتیں اور یہ کبھی ختم نہیں ہوتیں' ہر لمحہ بڑھتی ہیں۔ دنیا میں کوئی رشتہ نہیں چاہے' وہ محبت کا رشتہ ہو چاہے خون کا۔"

وہ ہولے ہولے کہہ رہا تھا اور وہ ساکت بیٹھی سن رہی تھی۔ اس کی پلکیں بار بار بھیگ جاتی تھیں۔ کیا کسی نے کسی کو اتنا چاہا ہو گا۔ جتنا ارحم بھائی نے اسے چاہا تھا۔

"وہ سحر تھی، سحر جلال اور میں اسے چاندنی کہتا تھا۔"
"نہیں۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"کیا کسی گمنام کال پر کسی کو موت کی سزا دی گئی آج تک۔ کیا کسی پر فرد جرم عائد کی گئی ہو تو بنا صفائی اسے قابل گردن زدنی ٹھہرایا گیا۔ نہیں نا۔ لیکن مجھے... مجھے انہوں نے صفائی کا موقع نہیں دیا۔ مجھ پر فرد جرم عائد کی اور موت کی سزا سنا دی۔ انہوں نے میرے باپ اور سحر نے جن پر میں دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ یہ سارا منظر نامہ اسی نے تحریر کیا تھا۔
کیوں... میں نہیں جانتا۔ آج تک نہیں جان سکا وہ اگر کہہ دیتی مجھ سے کہ وہ خرم شہزاد سے محبت کرنے لگی ہے اور مجھ سے شادی نہیں کر سکتی، وہ یہ سچ بول دیتی تو میں کیا کر لیتا۔ پتا نہیں اس نے یہ سب اکیلے کیا تھا یا بیگم راحت بھی اس میں شامل تھیں۔ میں نہیں جانتا۔ لیکن وہ اکیلے یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔ اس ڈرامے کی خالق یقیناً" وہ ہو گی اور معاونت بیگم راحت نے کی ہو گی۔ ڈیڈی کی نظروں میں مجھے گرا کر انہیں بھی تو فائدہ تھا۔" عہنا کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔
"سوری ارحم بھائی۔"
"آپ کیوں سوری کر رہی ہیں۔" ارحم نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"اس لیے کہ آپ کو تکلیف دینے والی میری بہن تھی۔ کاش میں ان زخموں پر مرہم رکھ سکتی۔ کاش میں اس سب کا مداوا کر سکتی۔" آنسو زیادہ روانی سے اس کے رخساروں پر بہنے لگے تھے۔
"آپ مداوا کر تو رہی ہیں۔"
ارحم نے اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھا۔ "میری بات سن کر مجھ پر یقین کر کے، آپ کے آنسو بتا رہے ہیں کہ آپ نے میرا یقین کیا اور میرے لیے دکھی ہو رہی ہیں۔"
"ارحم بھائی کیوں... کیا سحر آپی نے ایسا ایسا کیا تھا خرم شہزاد میں، جو آپ میں نہیں تھا۔"

"شاید وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت تھا اور مجھ سے زیادہ دولت مند۔"
"ہو سکتا ہے وہ آپ سے زیادہ دولت مند ہوں... لیکن وہ آپ سے زیادہ خوب صورت تو بالکل بھی نہیں ہیں۔ جیسے سفید پھیکے شلجم۔"
اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے ارحم کی طرف دیکھا۔
"آپ ان سے زیادہ خوب صورت ہیں۔"
"ارے میں کہاں خوب صورت ہوں کالا کلوٹا۔"
وہ ہولے سے ہنسا۔
"یہ تمہارا حسن نظر ہے اچھی لڑکی ورنہ..."
"جی نہیں آپ خرم شہزاد سے زیادہ حسین ہیں اور جب سحر آپی کی شادی ہوئی تھی، تب میں نے سیکڑوں بار سوچا تھا کاش سحر آپی کی شادی آپ سے ہوئی ہوتی۔ وہ تو مجھے پہلے دن ہی اچھے نہیں لگے تھے۔ اکڑو سے اور میں تو آپ کو ڈھونڈ رہی تھی اور آپ سے پوچھنا چاہتی تھی۔ آپ نے میری آپی سے شادی کیوں نہیں کی۔ تب صائم نے مجھے بتایا تھا کہ آپ گھر پر ہیں۔"
وہ تیز تیز بول رہی تھی اور پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی جو پھر آنکھوں میں جمع ہو رہے تھے اور ارحم دلچسپی سے اسے دیکھ رہا۔ تب ہی خالد تیز تیز بولتے ہوئے اندر داخل ہوا۔
"میں وہاں تمہارے انتظار میں سوکھ سوکھ کر لکڑی ہو گیا اور تم یہاں بیٹھے ہو۔ تمہارے دس منٹ ابھی تک نہیں ہوئے کیا۔"
پھر اس کی نظر عہنا پر پڑی تھی۔
"اور آپ یہاں... کیسی ہیں۔"
"ٹھیک ہوں ڈاکٹر صاحب آپ کیسے ہیں۔"
وہ کھڑی ہو گئی۔ اس کی بھیگی پلکیں روہا روہا سا چہرہ ڈاکٹر خالد نے معنی خیز انداز میں ارحم کی طرف دیکھا۔
"میں اب چلتی ہوں ارحم بھائی سوری میری وجہ سے آپ..."
"کوئی بات نہیں... میں تو بس یوں ہی ٹائم گزارنے خالد کی طرف جا رہا تھا۔"

اس نے خالد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عینا باہر چلی گئی تو خالد نے ارحم کی طرف دیکھا۔

"کیا تم نے اسے رلایا ہے۔"

"شاید۔۔۔" آہستگی سے کہہ کر ارحم بیٹھ گیا۔

"دیکھو میری جان ہر ایک کو ایک نظر سے مت دیکھا کرو۔ یہ لڑکی مجھے بہت مخلص لگتی ہے۔" ارحم نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا اور کافی کے کپ اٹھا کر کچن میں لے گیا۔

"دو کپ۔۔۔" خالد نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"یعنی اکٹھے بیٹھ کر کافی پی گئی۔ پھر یہ آنسو۔۔۔"

"فضول اندازے مت لگاؤ۔ چلو کہاں چلنے کا کہہ رہے تھے۔"

"سوچا تھا آج کچھ پرانے دوستوں سے ملنے چلتے ہیں۔ پرانی یادیں تازہ کرتے ہیں۔" خالد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"یار کیا دن تھے وہ بھی، کتنی بے فکر زندگی تھی۔"

"کیا سب دوست یہاں ہی ہیں۔" ارحم نے پوچھا۔

"نہیں صرف احمر اور سعید ہیں۔ ان سے ذکر کیا تھا تمہارا۔"

"کیسے ہیں دونوں۔۔۔"

"خوش اپنی اپنی زندگی میں مگن۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے انیکسی سے نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"میں بارہ سال سے جس of thought State میں Exist کر رہا ہوں۔ وہ ایک ہی رات میں کیونکر Crack ہو سکتی ہے عینا۔ آپ سمجھتی ہیں کل میں نے آپ سے اپنا دکھ شیئر کیا اور آج میں سب کچھ بھول جاؤں۔" ارحم فوارے کی دیوار پر بیٹھا تھا اور عینا پاس ہی سنگی بینچ کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں نے یہ نہیں کہا ارحم بھائی کہ آپ ایک ہی رات میں سب کچھ بھول جائیں۔ میں چاہتی

ہوں آپ وہ سب کچھ بھولنے کی کوشش کریں اور اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کریں۔ آپ نے اپنی زندگی کے بارہ سال ضائع کردیے محض ایک لڑکی کے لیے۔ مت کریں ایسا۔ وقت ابھی گزرا نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ہاتھوں میں پھول لیے آپ کا منتظر ہوگا ضرور۔" ارحم ہونٹ بھینچے عینا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی اس کے رتجگے کی کہانی سنا رہی تھی۔

"آپ رات بھر سوئے نہیں نا۔ سوری میں نے آپ کا غم تازہ کردیا۔ میں نے آپ کو وہ سب یاد دلا دیا جو آپ کے لیے تکلیف دہ تھا۔"

"نہیں وہ سب۔ بھولا ہی کب تھا۔ میرے کمرے سے شراب کی بوتلوں کا نکلنا شاید۔ اتنا اہم نہیں تھا میں بھول جاتا، لیکن میں وہ نظریں کیسے بھول سکتا ہوں جن نظروں سے ڈیڈی نے مجھے دیکھا تھا۔

اور جو۔ جو سحر نے مجھ سے کہا تھا۔۔۔ وہ سب میری سماعتوں میں زندہ ہے۔ آپ کیوں دکھی ہوتی ہیں میرے لیے اور کیوں مجرم سمجھتی ہیں خود کو، ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہوتا ہے۔

جو سحر نے کیا اس کے لیے آپ ہرگز قصوروار نہیں ہیں۔ پلیز بھول جائیں سب کچھ جو میں نے کہا، جو آپ نے سنا۔ اور آپ غالباً" یونیورسٹی جارہی تھیں۔ جائیں۔"

"نہیں مجھے یونیورسٹی نہیں جانا۔ اکرم بھائی آج چھٹی پر گئے ہیں اور مجھے راستوں کا نہیں پتا۔ کون سی بس کون سی ویگن کہاں سے جاتی ہے۔"

"میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"

"نہیں۔ آج نہیں جاؤں گی۔ یوں بھی آج کل ہفتہ اسٹوڈنٹ چل رہا ہے۔ آپ نے ابھی ناشتا نہیں کیا ہوگا۔ کب سے بیٹھے ہیں یہاں۔"

"بہت دیر سے۔"

"چلیں۔ پھر آپ کے کچن میں چائے بناتے ہیں لوں۔" ارحم چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کھڑا ہوگیا۔

"رات اماں سے فون پر بات ہوئی تھی۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے بتایا۔ "بات ہورہی ہوئی تھیں۔ میں نے مظفر کا بتایا تھا اور آپ کا بھی کہ آپ کے ساتھ ملنے آؤں گی، لیکن ان کی وہی ایک ضد کہ کسی صورت نہ آؤں۔"

"لوگ ایسے درندے ہیں عینا کہ جن کے دانت اور بڑے بڑے ناخن دکھائی نہیں دیتے اور تم بہت سادہ اور معصوم ہو۔ تمہاری اماں ٹھیک کہتی ہیں۔" اس نے انیکسی کا دروازہ کھولا۔

"کل سے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر میں یہاں کیوں رکا ہوا ہوں۔ کیا بیگم راحت کو چڑانے کے لیے۔ صرف اس لیے کہ وہ چاہتی تھیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"نہیں ارحم بھائی آپ اپنے ڈیڈی سے ملنے کے لیے رکے ہیں۔ آپ بظاہر کچھ بھی کہیں۔۔۔ لیکن آپ کے دل میں ان سے ملنے کی حب ہے چاہ ہے۔ آپ ان سے ہی ملنے آئے تھے نا پھر بغیر ملے کیسے جاسکتے ہیں۔"

"میں سچ مچ جارہا تھا عینا۔۔۔ لیکن بعض اوقات انسان کے ذہن پر ایسے احساس سوار ہوتے ہیں جو بے حد اگریسو اور گھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا out way نہیں ہوتا یہ Infra Sensations اپنوں کی زیادتی اور سازشوں کے نتیجے میں ایک دم Develope ہوجاتی ہیں اور انہیں rage بھی۔۔۔ ImpulSive اس لیے کہتے ہیں کہ انسان اس ذہنی حالت میں کچھ بھی کرسکتا ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ بھی اسی حالت میں زیادتی کی۔ سخت رویہ رکھا۔ تمہیں برا لگا ہوگا۔" وہ جیسے اپنا تجزیہ کررہا تھا۔

"نہیں اتنا زیادہ برا بھی نہیں لگا تھا۔ افسوس ہوا تھا تھوڑا سا۔"

وہ مسکرائی۔

"چلیں۔۔۔ بتائیں ناشتے میں کیا لیں گے۔"

وہ ناشتا خود ہی بناتا تھا۔ صرف دن اور رات کا کھانا اندر سے آرہا تھا۔ "اس وقت صرف چائے پیوں گا۔"

"لیکن میں صرف اچھی چائے پیتا ہوں۔"
"اور اگر میں آپ کی پسند کی چائے نہ بنا سکی تو۔"
"تو میں خود بناتا ہوں۔ تم بیٹھو۔" اس نے الیکٹرک کیٹل میں پانی ڈال کر سوئچ آن کیا "اور آپ نے گھر کیوں چھوڑ دیا تھا۔ ارحم بھائی آپ کو یہاں ہی رہنا چاہیے تھا اور یہاں رہ کر ثابت کرنا تھا کہ وہ سب غلط تھا۔"

"ہاں۔ شاید۔ لیکن میں جب اسپتال سے گھر آیا تو مجھے لگتا تھا جیسے میں کسی اجنبی جگہ اجنبی لوگوں کے درمیان رہ رہا ہوں۔ میری نظر بیگم راحت پر پڑتی تو مجھے وہ اپنا تمسخر اڑاتی نظر آتیں۔ ڈیڈی مجھ سے بات تو کرتے۔ لیکن مجھے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے تاسف' دکھ اور جانے کیا کچھ نظر آتا۔ میرے نروس بریک ڈاؤن نے شاید ان کے دل کو نرم کیا ہو۔ لیکن ان کی آنکھیں مجھے بے یقینی سے دیکھتی تھیں۔ جیسے میں۔ میں ایک غیر ملکی کمپنی میں کام کرتا تھا۔ انہوں نے مجھے باہر بھیجنے کی آفر کی اور میں نے قبول کر لیا۔ وہ آتی خرم شہزاد کے ساتھ۔ غرور سے اٹھی گردن خوشی سے چمکتی آنکھیں۔ لاؤنج میں موجود وہ ہنستی تو۔ اس کی ہنسی کی آواز میں اپنے کمرے میں سنتا مجھے لگتا مجھے کند چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔"

اس نے ٹی بیگ کپوں میں رکھے۔

"اور یوں میں نے ایک دن بغیر کسی کو بتائے گھر چھوڑ دیا۔"

اس نے دودھ مکس کر کے کپ عمنا کی طرف بڑھایا اور خود اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"میں ملکوں ملکوں گھومتا پھرا اور میں نے امیدیں باندھنا' انہیں زندہ رکھنا چھوڑ دیا اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ مسلسل چار سال میں اس سب کو بھولنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن جو کانٹے میرے بدن اور پاؤں میں اترے تھے ان کی جلن اور چبھن کم نہیں ہوئی تھی۔ پھر مجھے پتا چلا کہ ڈیڈی کا ہارٹ بائی پاس ہونا ہے۔

لندن کی ایک کہر آلود شام میں وہ ڈیڈی کے دوست تھے جنہوں نے مجھے بتایا تھا۔

"ارحم تمہارا باپ تمہارے لیے بہت تڑپتا ہے۔ خود کو ان سے دور مت کرو۔ تمہاری جو بھی ناراضی اور غصہ ہے وہ ختم کر دو۔"

اس شام میرا دل بھی جیسے سرد تھا۔ لندن کی اس شام کی طرح اور میں نے ڈیڈی کے بارے میں ان کی ہر بات کو اس طرح سنا تھا جیسے وہ کسی اور فرد کی بات ہو۔ لیکن رات کو جب میں بستر پر لیٹا تو مجھے بہت سارے لمحات یاد آنے لگے۔ جب ماما زندہ تھیں۔

جب ڈیڈی میرے ایک آنسو پر بے چین ہو جاتے تھے۔ میرا دل گداز ہونے لگا اور میں رات کے دو بجے اٹھ کر خالد کو فون کر رہا تھا۔ پورے چار سال بعد اور خالد مجھے بتا رہا تھا کہ ٹھیک تین دن بعد ان کا بائی پاس ہو رہا ہے۔

عمنا خاموشی سے سن رہی تھی۔ ارحم کے چہرے پر سوز بکھرا تھا۔

"اور ڈیڈی کے آپریشن سے صرف چند گھنٹے پہلے میں ان کے پاس کھڑا تھا۔ وہ رو رہے تھے۔ انہوں نے مجھے گلے بھی لگایا تھا۔ گلہ بھی کیا تھا۔

"میں تمہارا باپ ہوں۔ ارحم کیا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ میں تم میں کوئی غلط بات دیکھوں تو تمہیں ڈانٹ سکوں۔"

وہ آج بھی سمجھتے تھے کہ جو کچھ ان کی آنکھوں نے دیکھا' وہی سچ تھا' میں نے تردید نہیں کی عمنا' بس خاموشی سے ان سے الگ ہو گیا۔ میری آنکھوں میں آنسو نہیں آئے۔ میں رویا نہیں' میرا دل گداز نہیں ہوا' وہ ایسا ہی سخت تھا۔ سرد پتھر۔

"میں نے آج تک یہ سب کچھ کسی سے نہیں کہا۔ پتا نہیں تم سے کیوں کہہ دیا۔ شاید یہ بوجھ تنہا اٹھاتے اٹھاتے تھک گیا تھا۔ لیکن عمنا میں بہت Reactionary اور Agrassive کرتا ہوں جو شاید اس کے حق دار نہیں ہوتے۔ میں نے تمہیں سب بتا دیا۔ تم جو جاننا چاہتی تھیں جان لیا تم نے۔ مجھے ڈر ہے' میں کسی روز تمہیں پھر hurt

کردوں گا اور میں تمہیں hurt نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے پلیز اب تم۔"

"میں hurt نہیں ہوں گی، کبھی بھی نہیں ارحم بھائی آپ جتنا مرضی غصہ کریں، مجھے برا نہیں لگے گا اور مجھے جانے کو مت کہیں۔" اس نے ارحم کی بات کاٹی۔

"لیکن عینا میں نہیں چاہتا اچھی لڑکی میری وجہ سے آپ کی ذات پر کوئی آنچ آئے بیگم راحت۔ کچھ کہیں، کچھ غلط۔"

"آپ کی وجہ سے مجھے کچھ نہیں ہوگا ارحم بھائی۔ وہ میری پھپھو ہیں۔ میں جانتی ہوں۔ وہ مجھے آپ سے بات کرنے سے منع کرسکتی ہیں۔ لیکن کوئی ایسی بات نہیں کرسکتیں جس سے میرے کردار پر کوئی حرف آئے۔"

"آپ ہر ایک کے متعلق اتنی ہی پر یقین ہوتی ہیں۔" ارحم کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ "ہر ایک کے متعلق نہیں، لیکن وہ جو مجھ سے متعلق ہیں کسی نہ کسی رشتے کے حوالے سے۔" ارحم کی آنکھوں کی حیرت ستائش میں بدلی۔

"آپ بہت عجیب ہیں، حیرت انگیز۔"

"آپ کو لگتا ہے ورنہ میں تو عام سی لڑکی ہوں۔" ارحم نے خالی کپ اٹھائے "اور چائے پیو گی۔"

"نہیں۔"

"تو میں اپنے لیے ایک کپ چائے بنالوں۔"

"آپ چائے بہت پیتے ہیں۔ اتنی چائے نہ پیا کریں۔"

"پہلے تم نے شراب پر پابندی لگائی اب چائے پر لگا رہی ہو ہم کچھ زیادہ ہی دخیل نہیں ہوتی جارہی ہو میری زندگی میں۔" وہ مسکرایا۔

وہ کبھی اسے آپ کہہ کر بلاتا اور کبھی تم۔ اور عینا کو اس کا اس طرح بے تکلفی سے بات کرنا اچھا لگا۔

"نہیں۔"

وہ ارحم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "میں تو چاہتی ہوں آپ کچھ ایسا نہ کریں جس سے آپ کو نقصان پہنچے۔"

"مجھے جتنا نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا۔ اب اور کیا نقصان ہوگا میرا۔"

اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے۔

"اور آپ جن زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کررہی ہیں وہ کبھی بھرنے والے نہیں۔ آپ کیا اس سب کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کررہی ہیں، جو سحر جلال نے کیا میرے ساتھ۔" وہ ایک دم ایگریسو ہوا تھا۔

"نہیں عینا جلال مجھے ایسے کسی مرہم کی چاہ نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

اس کی رنگت ماند پڑ گئی تھی۔

"میں تو جانتی بھی نہیں تھی کہ وہ سحر آپی تھیں۔ جب میں نے چاہا تھا کہ آپ اس دکھ کے حصار سے نکل آئیں۔ جس میں بارہ سال سے آپ گھرے ہوئے ہیں۔ صرف اس لیے کہ آپ میرے لیے وہ ارحم بھائی تھے جو مجھے بہت اپنے ہمدرد اور اچھے لگے تھے جنہیں پچھلے بارہ سالوں میں سیکڑوں بار میں نے یاد کیا تھا۔"

اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"سحر آپی نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا بھلا کیا کفارہ ہوسکتا ہے۔ میں کچھ بھی کرلوں، کیا میں آپ کے بارہ سال واپس لاسکتی ہوں۔ وہ خواب جو آپ نے سحر آپی کے حوالے سے دیکھے۔ وہ محبت جو آپ نے ان سے کی۔ کیا۔"

"سوری عینا۔"

وہ شرمندہ ہوا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں آپ کو ہرٹ کردوں گا۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ کانٹے چننے کی کوشش نہ کریں۔ اپنی انگلیاں زخمی کرلیں گی۔"

وہ دلگرفتہ سا واپس آکر پھر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اگر میری انگلیاں زخمی ہونے سے آپ کے پاؤں کے کانٹے نکل آئیں گے تو مجھے پروا نہیں بھلے زخمی

ہوتی رہیں۔"

اس کے چہرے کی چمک لوٹ آئی تھی۔

"آپ سحر سے کتنی مختلف ہیں عہنا۔ آپ کو سن کر ایسا لگتا ہے جیسے کسی ٹھنڈک کسی مہربان موسم نے آنچل پھیلا دیا ہو۔ جیسے دل پر مرہم لگ جائے۔ لیکن میں بہت ڈرتا ہوں' بہت ڈر لگتا ہے مجھے ان لمحوں سے جب آپ کے چہرے کا نقاب اتر جائے گا اور جب ۔۔۔ سچ بتائیں عہنا آپ کیوں ۔۔۔ کیوں مہربان ہیں مجھ پر اتنی۔" وہ پل کے پل بدلتا تھا۔

"کیا بیگم راحت نے کہا ہے آپ سے' مجھ سے قریب ہو کر ایک بار پھر اسی اذیت سے دوچار کریں۔" اس کی آنکھوں میں شک تھا اور چہرہ کسی چٹان کی طرح سخت اور سرد مہر ابھی چند لمحے پہلے آنکھوں میں پشیمانی لیے وہ کتنی نرمی سے بات کر رہا تھا۔

"ارحم بھائی۔" اس کی آنکھیں ایک دم آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے۔" آنکھیں زیادہ دیر آنسو سہار نہ سکیں اور وہ رخساروں پر بہہ آئے۔ وہ یکدم اٹھی اور تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

ارحم خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے شاید اسے خفا کر دیا تھا۔ اس معصوم اور پیاری سی لڑکی کو جس کی سادہ اور بے ریا آنکھوں سے خلوص جھلکتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں وہ بار بار شکوک کا شکار ہو جاتا تھا۔

وہ ایک دم اٹھا اور انیکسی سے باہر نکل گیا اور تیز تیز چلتا ہوا پورچ تک آیا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ ایک لمحے کو رکا۔ کتنے سالوں بعد وہ آج گھر کے اندر جا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے دروازے پر دستک دی۔ حمیدہ نے دروازہ کھول کر حیرت سے اسے دیکھا اور وہ اس کی حیرت کو نظر انداز کرتا سیدھا لاؤنج میں آیا تھا اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ لاؤنج میں بظاہر ٹی وی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں اور آنکھوں کی کور تک آنے والے آنسو کو وہ انگلی کی پوروں سے پونچھتی جاتی تھی۔

"سوری ۔۔۔ عہنا ۔۔۔ ام رئیلی ویری سوری۔"

"آپ نے بہت غلط بات کی بہت ہی غلط۔"

"سوری ۔۔۔ کر تو رہا ہوں اور دیکھیں صرف آپ سے سوری کرنے کی خاطر میں نے بارہ سال بعد یہاں قدم رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں میں نے غلط کیا۔ لیکن میں ایسا ہی ہوں عہنا' میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ کبھی کبھی میں بہت کھردرا اور تلخ ہو جاتا ہوں۔ مجھے خود پتا نہیں چلتا شاید یہ حالات کی وجہ سے ہے کہ میں ایسا ہو گیا ہوں۔ مجھے دو ٹوک بات کرنا پسند ہے۔ میں اپنی شدید سوچیں اور احساسات کبھی بھی ملفوف کر کے پیش نہیں کر سکتا۔ یہ میری شاید اچھی عادت نہ ہو' لیکن میں ۔۔۔"

"کوئی بات نہیں ارحم بھائی۔"

"کوئی بات نہیں تو پھر یہ آنسو کس لیے۔ ان آنکھوں کو رونے کی عادت ہے کیا۔" وہ مسکرایا۔

عہنا نے جلدی سے دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ اور آنکھیں پونچھیں۔

"مجھ سے دوستی کی ہے تو میرے رویوں کو بھی برداشت کرنا ہو گا۔" عہنا نے سر ہلایا۔

ڈن روم میں ڈسٹنگ کرتی حمیدہ کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔ لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"عہنا میرے پاس دوسروں کے لیے بہت جگہ ہے۔ میں دوسروں کا حق یا عزت نفس خود سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ مجھے دوسروں کا احترام کرنا بہت پسند ہے۔ کسی بھی اختلافی مسئلہ میں سب سے پہلے میں اپنا قصور ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"ارحم بھائی ۔۔۔ میں جانتی ہوں آپ بہت اچھے ہیں ۔۔۔ اور ۔۔۔"

"نہیں عہنا آپ مجھے نہیں جانتی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اپنے رویے اور اپنی باتوں سے کہیں آپ کو زخمی نہ کر دوں۔ آپ تو میرے زخموں پر مرہم رکھنا چاہتی ہیں۔ کہیں اس کوشش میں آپ خود زخم زخم نہ ہو جائیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ میں اپنے دل کی ہر بات ہر کسی سے نہیں کہتا۔ لیکن آپ سے میں نے

اپنے دل کی ہر بات' ہر سوچ کہہ دی۔ چاہے وہ اچھی تھی' معقول تھی یا غیر معقول۔ آپ میری زندگی میں پہلی ہستی ہیں جو اتنا کچھ جان گئی ہیں۔ یہ سب مجھے اچھا لگا۔ آپ سے اپنی بات کہنا' لیکن میں چاہوں گا کہ اب آپ میرے پاس مت آئیں۔ مجھ سے دور رہیں۔ میں آپ کے احساسات کی قدر کرتا ہوں۔ آپ نے میرے لیے اچھا سوچا۔ میری بات کا یقین کیا۔ اس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ ہمیشہ رہوں گا۔ کم از کم ایک ہستی ایسی ہے دنیا میں جو میرا یقین کرتی ہے اور جو وہ سب کچھ جانتی ہو جو میرے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ میں اپنے عجیب و غریب رویے سے آپ کو تکلیف پہنچا دیتا ہوں اور میں آپ کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ کبھی بھی نہیں۔ ایگین سوری۔"

وہ جتنی تیزی سے اندر آیا تھا اتنی ہی تیزی سے بات کر کے باہر چلا گیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے حمیدہ نے کندھے اچکائے اور بلند آواز میں سوچا۔ "اللہ جانے اتنی دیر سے ارحم صاحب عیناں بی بی سے کیا بات کر رہے تھے اور کمال ہے آج اندر گھر میں بھی آگئے۔ ضرور انہوں نے ہی کہا ہو گا گھر آنے کو۔ کھانا بھی تو بجھواتی ہیں نا روزانہ۔" عیناں نے اس کی بڑبڑاہٹ کو واضح سنا تھا۔ لیکن اس نے مڑ کر حمیدہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ ارحم کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔

یہ ارحم بھائی نے اس طرح کی باتیں کیوں کیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے سامنے نہ آؤں۔ ان سے بات نہ کروں' کیا صرف اس لیے کہ میں سحر جلال کی بہن ہوں۔

اندر پھر کن من ہونے لگی تھی۔

اور یہاں لاؤنج میں بیٹھ کر حمیدہ کی کھوجتی نظروں کا سامنا کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔ سو وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

✡ ✡ ✡

جنوری کی اس صبح میں خاصی دھند تھی اور وہ اس دھند میں باہر لان میں ٹہل رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد چہرہ نم ہو جاتا۔ عجیب سی خشک سردی تھی۔ اس نے ہاتھوں کو رگڑا اور درختوں کی اوٹ سے جھانکتی سورج کی کرنوں کو دیکھا۔ دھوپ میں حدت نہیں تھی اور ابھی سورج نکلے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی۔ وقت تھا کہ رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ تین دن سے وہ نظر نہیں آئی تھی۔ رفیق کھانا دے جاتا۔ وہ خاموشی سے کھا لیتا۔ لیکن کل دن کا کھانا اور پھر رات کا کھانا بھی اس نے واپس کر دیا تھا۔ پتا نہیں کیوں دل بوجھل سا تھا اور اداسی تھی کہ کہر کی طرح دل پر جمی تھی۔ شاید یہ اس موسم کا اثر ہے۔ ورنہ تو مدتوں سے اس نے دل کو بے حس کر رکھا تھا۔ نہ غم' نہ خوشی' ہر احساس اسے چھوئے بغیر ہی چلا جاتا تھا۔ لیکن اب یہ کیسا احساس تھا جو دل کو مضطرب کیے ہوئے تھا۔ کوئی احساس۔۔۔ احساس زیاں جیسا۔

"کیا میں نے اسے بہت زیادہ خفا کر دیا ہے۔" میں تو اس سے سوری کرنے اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ لیکن پھر پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا۔ صحیح ہی تو کہا تھا کہ وہ مجھ سے دور رہے۔ پھر۔۔۔"

تب ہی دروازہ کھلا اور سیاہ شال اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتی وہ باہر نکلی اور لان میں آتے ہی اس کی نظر ارحم پر پڑی تھی۔ وہ یکدم اس کی طرف بڑھی' لیکن پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ کر رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ارحم بے اختیار اس کے قریب آیا تھا۔

"بہت ناراض ہیں کیا۔" وہ سر جھکائے خاموش کھڑی رہی تھی۔

"عیناں میں نے جو کچھ آپ سے کہا آپ کی خاطر کہا۔ میں آپ کو دکھی نہیں کرنا چاہتا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ کیا چیز مجھے دکھی کرتی ہے۔" اس نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"مجھے آپ کا تنہا رہنا دکھی کرتا ہے۔ مجھے یہ چیز دکھی کرتی ہے کہ آپ خود کو سزا دے رہے' مجھے آپ کی اداسی دکھی کرتی ہے۔ میں دکھی ہوتی ہوں اس بات پر کہ آپ نارمل زندگی نہیں گزار

رہے۔ آپ کا atitude آپ کی تلخی، آپ کا غصہ کچھ بھی مجھے دکھی نہیں کرتا۔ سنا آپ نے۔ میں اس بات پر دکھی ہوتی ہوں آپ نے خود کو بالکل بدل ڈالا ہے۔ آپ وہ ارحم بھائی نہیں ــــ اصل میں خود پر خول چڑھا رکھا ہے آپ نے اور آپ اس خول کے ٹوٹنے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں میں یا کوئی اور اس خول کے پیچھے چھپے ارحم کو نہ دیکھ لے جو اندر سے بہت حساس' بہت نرم دل ہے۔ جو اپنے ڈیڈی سے پیار کرتا ہے۔ جسے صائم سے محبت ہے۔

اور جسے بیگم راحت سے بھی نفرت نہیں ہے اور جو آج بھی سحر جلال سے محبت کرتا ہے باوجود اس کی چیٹنگ کے۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ لیکن اس نے فوراً" ہی اپنی آواز پر قابو پالیا۔

"آپ بھلے مجھ سے بات نہ کریں۔ میری طرف مت دیکھیں' لیکن اپنی زندگی کو ضائع مت کریں۔ دنیا بہت خوب صورت ہے' کسی بہت اچھی لڑکی سے شادی کرلیں۔ جو کرچیاں چننے کا ہنر جانتی ہو ۔" ارحم ایک پرمسرت سی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب آیا۔

"اور کس کس بات سے تمہیں دکھ ہوتا ہے عہنا۔" وہ اس کے بالکل مقابل کھڑا تھا۔

"مجھے اس بات سے دکھ ہوتا ہے کہ آپ اتنی دھند اور سردی میں یہاں کھڑے ہیں۔ حالانکہ آپ اس سے پہلے بیمار رہ چکے ہیں اور آپ کو دوبارہ بھی نمونیے کا اٹیک ہو سکتا ہے۔"

"تم بہت اچھی ہو بہت کیوٹ۔" اس نے انگوٹھے اور انگلی سے اس کی ناک کو ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا۔

"آؤ دوستی کرلیں۔"

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ عہنا نے جھجکتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر فوراً" ہی اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"اف کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں آپ کے ہاتھ۔"

"اور تمہارے کتنے گرم اور نرم۔"

"مخلص لوگوں کے گرم ہی ہوتے ہیں۔ فوراً" جائیں' جاکر گرم گرم چائے یا کافی پئیں۔"

"آج تمہارے ہاتھ کی چائے پیوں گا۔ اس دوستی کی خوشی میں اور پرومس اب تم پر غصہ نہیں کروں گا اور تم بھی ناراض نہیں ہوگی۔ اگر غلطی سے کچھ غلط بول گیا تو۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی۔ "آیئے اندر چلیں۔"

"نہیں میری انیکسی میں۔"

"اچھا میں ذرا خدا بخش چاچا سے کہہ دوں کہ وہ اکرم سے مجھے ایک کتاب منگوا دیں۔ میں کتاب کے لیے ہی باہر نکلی تھی۔ کچھ بال پین بھی چاہیے تھے۔"

"تو چلو باہر چلتے ہیں' کہیں باہر چل کر چائے پیتے ہیں۔ تمہارے ہاتھ کی چائے پھر سہی۔ یہاں قریب ہی ایک کیفے ہے۔ اس کی پیسٹری اور چائے بہت مشہور ہے۔ پھر تمہاری کتاب خرید لیں گے۔"

اس نے ایک لمحہ کے لیے سوچا۔ ارحم نے بغور اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں۔ میں حمیدہ کو بتا دوں۔"

وہ ارحم کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے حمیدہ کو بتا کر اس کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل آئی۔ ارحم کا دل چاہا وہ اس کا ہاتھ تھام لے اور اس دھند بھرے موسم میں اس کا ہاتھ تھامے چلتا رہے' ہولے ہولے باتیں کرتا اور پھر اسے خود ہی اپنی سوچ پر ہنسی آگئی۔

"کیا ہوا۔" عہنا نے اس کی طرف دیکھا۔

یوں ہی ایک بات یاد آگئی تھی۔ پہلے لاہور میں اتنی دھند نہیں ہوتی تھی۔

"اچھا۔ اس میں ہنسنے والی تو کوئی بات نہیں۔"

"ہاں ہنسی تو مجھے کسی اور بات پر آئی تھی۔

جب میں پڑھتا تھا تو ہم دوست کبھی کبھی تیز بارش میں بھیگتے اس کیفے میں کافی یا چائے پینے آتے تھے۔" وہ بتا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اے ابرِکرم آج اتنا برس' اتنا برس کہ وہ جانہ سکیں۔" ارحم نے سکرا کر عہنا کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت انیکسی کے برآمدے میں کھڑے تھے اور بارش برس رہی تھی۔

"میں بارش کے بغیر بھی تو رکی ہوئی تھی۔" عہنا نے ہاتھ آگے بڑھا کر بارش کے قطروں کو اپنے ہاتھوں پر لیا۔

"تمہیں بارش کیسی لگتی ہے عہنا۔"

"بہت اچھی۔"

"وہاں یو اے ای میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں' مجھے وہاں لاہور کی بارشیں بہت یاد آتی تھیں۔" وہ اندر سے فولڈنگ چیئرز اٹھا لایا تھا۔

"تم بیٹھو یہاں۔ میں ابھی آیا۔ پھر بارش انجوائے کرتے ہیں۔" کچھ ہی دیر بعد وہ جھاگ اڑاتی گرم گرم کافی کے کپ اٹھائے آیا۔

جنوری کی بارش انجوائے کرتے کرتے کہیں ہماری بھی قلفی نہ جم جائے۔

"تمہیں سردی لگ رہی ہے۔"

وہ فولڈنگ ٹیبل پر کپ رکھ کر پھر اندر گیا۔ واپس آیا تو اس کے بازو پر اس کا گرم کوٹ تھا۔ "لو یہ پہن لو۔"

"نہیں۔" وہ جھجکی۔

"ارے یار پہن لو۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔ "پھر گرم گرم کافی پیتے ہوئے باتیں کرتے ہیں۔ میں تمہیں دوسرے ملکوں کی مزے مزے کی باتیں بتاتا ہوں۔"

"مجھے کافی کچھ زیادہ پسند نہیں آتی۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کافی اس روز پی تھی جب آپ نے بنائی تھی۔"

"تمہارے لیے چائے بنالوں۔"

"اب آپ نے بنالی ہے تو مجبوراً" پی لوں گی۔" وہ ہنسی۔

"تم ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو' لیکن میں نے تمہیں ہنستے ہوئے بہت کم دیکھا ہے۔ ہنستی رہا کرو۔"

پچھلے تین' چار دنوں میں انہوں نے بے شمار باتیں کی تھیں۔ ارحم نے اسے مختلف ملکوں میں رہنے کے دوران ہونے والے واقعات بتائے تھے۔ عہنا ہر روز ہی کچھ دیر کے لیے ارحم کے پاس آتی تھی۔ دونوں مل کے چائے پیتے تھے اور باتیں کرتے تھے۔ آج تو سنڈے تھا۔ ارحم کی ضد پر اس نے کھانا اسی کے ساتھ کھایا تھا اور کھانے کے دوران ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ کافی پیتے ہوئے وہ اسے ہندو لڑکی کانیتا کا احوال بتانے لگا جو بری طرح اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ بڑی عجیب لڑکی تھی وہ۔

"آپ اتنی لڑکیوں سے' ملے ارحم بھائی کبھی کسی نے اٹریکٹ نہیں کیا۔"

"نہیں سحر کے بعد کسی نے نہیں۔ سچ پوچھو تو مجھے عورتیں۔"

"سب عورتیں بری نہیں ہوتیں ارحم بھائی۔" عہنا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں۔ لیکن میرا مزاج ہی کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ میں عورتوں سے بھاگتا تھا۔ بہت بے اعتبار ہو گیا تھا۔"

لیکن کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی پر تو اعتبار کرنا پڑے گا نا۔ زندگی یوں ہی تو نہیں گزرتی۔ انسان کے دل میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ ایک کے بعد دوسری محبت کی۔"

"شاید ایسا ہوتا ہو" اس نے بغور اسے دیکھا۔

"تم موسم بدلنے پر قدرت رکھتی ہو عہنا۔ میرے اندر کے موسم بدل رہے ہیں۔ خزائیں رخصت ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن پھر میں ابھی بہار کی آمد کو پوری طرح محسوس بھی نہیں کرپاتا کہ خزاں پھر سے پنکھ پھیلائے میرے اندر اتر آتی ہے۔"

"وقت تو لگتا ہے ارحم بھائی کسی بھی تبدیلی میں۔ ایک دم سے سب کچھ تبدیل نہیں ہو جاتا۔" عہنا کا لہجہ نرم تھا۔ ہولے ہولے بات کرتی وہ ارحم کو اچھی لگنے لگی تھی۔

"بے اعتباری' بے وفائی' منزل کھو جانے کا دکھ' کرب اور عذاب انسان کو ریزہ ریزہ کرکے بکھیر دیتے

کے لیے کافی ہوتا ہے اور آپ کہتی ہیں میں نئے سرے سے زندگی شروع کروں' نئے گل بوٹے لگاؤں۔ تمام گرد اور جالے صاف کردوں۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائی اور آخری گھونٹ لے کر خالی کپ ٹیبل پر رکھا۔

"میرے دل میں بے شمار چھید ہیں عینا۔ پتا نہیں کبھی وہ بھر بھی پائیں گے یا نہیں۔ آپ نے ان سارے بیتے دنوں میں جو کچھ کہا۔ مجھے اچھا لگا۔ بہت محبوب ہو گیا مجھے' لیکن مجھے تو جیسے سراب کے پیچھے بھاگنے اور ریت اور دھول پھانکنے کی عادت ہو گئی ہے۔ دن میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے خود سے کہ آنے والا دن دوسرے دنوں سے مختلف ہو گا۔ لیکن جب بے دار ہوتا ہوں تو دل میں وہی وحشت ہوتی ہے۔ وہی دکھ' وہی عذاب' پھر سے زندہ ہو جاتے ہیں۔" وہ یوں ہی باتیں کرتے کرتے اداس ہو جاتا تھا۔

"میں عجیب و غریب موسموں سے گزر رہا ہوں اور سمجھ نہیں پا رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔"

"میں بتاؤں۔" عینا نے شوخی سے کہا۔

"آپ کے اندر تبدیلی ہو رہی ہے۔ آپ کو احساس زیاں ہو رہا ہے۔ بیتے بارہ برس ضائع کرنے کا۔ اگر بارہ برس پہلے آپ شادی کر لیتے تو اس وقت آپ کے تین' چار بچے ہوتے۔"

"خدا کا خوف کرو لڑکی۔ ایک' دو نہیں تین' چار۔"

" اور آپ کی مسز اس وقت ڈاکٹر خالد کی بیوی کی طرح آپ کو بار' بار مس کال دے رہی ہوتیں۔" وہ ہنس رہی تھی اور ارحم اسے مبہوت سا دیکھ رہا تھا۔ بارش رک گئی تھی اور موسم کھل گیا تھا۔

"میں اب چلتی ہوں ارحم بھائی۔ مجھے کل یونیورسٹی بھی جانا ہے' کچھ نوٹس تیار کرنے تھے۔"

"میں بھی چلتا ہوں' خالد کی طرف جاؤں گا۔ تمہارے ساتھ باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ تم چلی جاتی ہو تو وقت کاٹے نہیں کٹتا۔"

اس نے کوٹ اتار کر ارحم کی طرف بڑھایا۔

"پہنے رکھتیں' اچھا لگ رہا تھا۔"

ارحم نے کوٹ لے لیا اور یوں ہی بازو پر ڈالے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ میں عمر بھر یوں ہی تمہارے ساتھ چلتا رہوں اور تم اپنے مخصوص لہجے میں دھیمے دھیمے سے میرے اندر خوشیوں کا رس قطرہ قطرہ ٹپکاتی جاؤ۔"

یہ کیسی سوچ تھی۔ اس نے گھبرا کر عینا کی طرف دیکھا کہ کہیں اس نے اس کی سوچ تو نہیں پڑھ لی۔ وہ معصوم سی لڑکی جو صرف اپنے خلوص و محبت سے مجبور ہو کر اسے نارمل زندگی کی طرف لانا چاہتی ہے۔ جو چاہتی ہے کہ وہ سب بھلا دے جو اس کے ساتھ ہوا اور کسی اچھی لڑکی کی ہمراہی میں زندگی کا سفر شروع کر دے۔

لیکن وہ اپنے دھیان میں مگن انگلیوں سے شلوار کے پائنچے اونچے کیے نیچے دیکھتے ہوئے چل رہی تھی۔

"یہ کیسی سوچ میرے دل میں پیدا ہو رہی ہے۔" وہ خوف زدہ ہو کر تیز تیز چلنے لگا۔

"ارحم بھائی پلیز رکیں' میری بات سنیں۔۔۔ وف۔۔۔"

ارحم گیٹ کے پاس پہنچ گیا تھا اور وہ پورچ کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ تب ہی گیٹ کھلا تھا اور کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ نیلی جینز پر قیمتی لیدر جیکٹ اور وہ ٹرالی بیگ گھسیٹتا ہوا اندر آیا تھا اور پھر اسے وہاں ہی چھوڑ کر ارحم سے لپٹ گیا تھا۔

"ارحم بھائی۔۔۔ ارحم بھائی یہ میں ہوں صائم۔۔۔ پہچانا نہیں مجھے۔"

ارحم ساکت کھڑا تھا۔ جب آخری بار ارحم نے اسے دیکھا تھا تو وہ بارہ سال کا تھا اور اب چوبیس سال کا اونچا لمبا جوان اس کے چہرے پر عینک بہت جچ رہی تھی۔

"ارحم بھائی۔۔۔ آپ ناراض ہیں مجھ سے ابھی تک۔ آپ نے دوسروں کی سزا مجھے کیوں دی۔ آپ مجھے بھی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ آپ کو معلوم ہے میں کتنا رویا تھا۔ کتنے دن روتا رہا۔ آپ کو یاد کر کے راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ کے کمرے میں جاتا تھا کہ شاید آپ

آ گئے ہوں۔ آپ نے بہت ظلم کیا مجھ پر' خود پر۔" وہ رو رہا تھا۔ ارحم کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔

اس کے نیچے گرے ہوئے ہاتھ اٹھے اور اس نے صائم کو مضبوطی سے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔

"صائم۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور خشک آنکھوں میں نمی پھیلتی جا رہی تھی اور عہنا نم آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد صائم الگ ہوا۔

"مجھے آپ سے باتیں کرنی ہیں اور بہت سارا لڑنا ہے۔"

اس نے آنکھیں پونچھیں اور عہنا کی طرف دیکھا جو قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ تم ہو عہنا بونگی لڑکی۔ آج بھی ویسی ہی لگ رہی ہو بونگی۔"

"اور یہ تم ہو پڑھاکو صائم۔ آج بھی ویسے ہی لگ رہے ہو پڑھاکو سے۔" عہنا اب وہ بارہ سال پہلے والی عہنا نہیں تھی جو صائم سے بات کرتے ہوئے جھجکتی تھی۔ صائم بے اختیار مسکرا دیا۔

"چلیں نا اندر۔ یہاں ہی کھڑے رہیں گے؟" عہنا کو ہی خیال آیا تھا۔

"اور یہ آپ نے اپنے آنے کی اطلاع ہی نہیں دی۔"

"ہاں۔ میں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ پرسوں صبح میرا آخری پیپر تھا اور آج میں یہاں ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ میں پھر ارحم بھائی کو کھو نہ دوں۔" اس نے مسکرا کر ارحم کی طرف دیکھا۔ دل کا گداز پھر پتھر میں ڈھل گیا تھا۔

"چلیے نا اندر۔ چل کر بیٹھتے ہیں۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم چلو میں پھر آتا ہوں۔" ارحم کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ ایک دم ہی گیٹ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

"دراصل ارحم بھائی کسی ضروری کام سے جا رہے تھے۔" صائم نے اس طرح اسے دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں' سب جانتا ہوں میں۔ اکرم کو سامان اندر لانے کا کہہ کر اس نے اندرونی گیٹ کی طرف قدم بڑھایا اور عہنا بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عہنا کچن میں حمیدہ کے ساتھ مصروف تھی۔ جب صائم نے اندر جھانکا۔

"بڑے مزے مزے کی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔"

"تم جاگ گئے ہو۔" عہنا نے مڑ کر دیکھا۔ وہ فریش لگ رہا تھا۔

"بہت تھکاوٹ تھی۔ بستر پر گرتے ہی غڑوں۔"

"یہ غڑوں کیا۔"

"جب میں چھوٹا تھا نا تو کبھی ارحم بھائی کو تنگ کرتا تھا' تو وہ کہتے تھے چلو اب غڑوں ہو جاؤ۔ آواز نہ آئے تمہاری اور میں سو جاتا تھا۔ یہ ارحم بھائی نہیں آئے ابھی تک میں ان کے کمرے میں دیکھ آیا ہوں۔"

"تم چلو لاؤنج میں چل کر بیٹھو' میں آتی ہوں۔" عہنا نے صافی سے ہاتھ پونچھے اور حمیدہ کو کچھ ہدایات دے کر باہر آ گئی۔ وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا ریموٹ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"پھپھو کا دو بار فون آ چکا ہے۔ پہلے ان سے بات کر لو' پھر میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"ارے انہیں کیسے پتا چلا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ انہیں بھی سرپرائز دوں گا۔ یہاں آ کر دیکھیں گی۔"

"میں نے فون کر کے بتایا تھا' نہیں تو ناراض ہوتیں۔"

"میرا سارا سرپرائز خراب کر دیا تم نے۔" صائم نمبر ملانے لگا۔

عہنا اس کے دائیں طرف والی صوفہ چیئر پر بیٹھ گئی۔

"ملا پرسوں آئیں گی' کل ان کی کوئی ضروری میٹنگ ہے۔ کسی پارٹی کے ساتھ اور ڈیڈی بھی پرسوں

صبح کی فلائٹ سے آئیں گے۔" عمنا نے سرہلایا۔

"میرے پاس ایک اور خبر بھی ہے۔"

"کیا۔ کوئی اور بھی آرہا ہے' تمہاری انگریز بیوی تو نہیں۔"

"ہاہا۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"پتا نہیں کیوں' جب بھی کوئی گوری دل کو بھائی اور سوچا کہ دل ہاتھ پر رکھ کر اسے پیش کردوں تو ایک چھوٹی موٹی سی دبلی سی تھر تھلی سی لڑکی بڑے سے دوپٹے میں خود کو چھپائے سامنے آگئی اور گوری کا سارا حسن ماند پڑ گیا۔"

"کون ہے وہ لڑکی۔" عمنا کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

"بتادیں گے کسی مناسب موقع پر۔" اس نے بہت گہری نظروں سے عمنا کی طرف دیکھا۔

"تم بہت بدل گئے ہو صائم۔ پہلے تو تم بڑے سنجیدہ سے ہوتے تھے۔ بلکہ کافی سے تنہائی پسند اور کچھ اکڑو سے۔" صائم نے ہنستے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"بات یہ ہے کہ جب ارحم بھائی گھر سے چلے گئے تو گھر میں سناٹے گونجنے لگے۔ اتنی خاموشی اور سناٹا ہوتا تھا کہ گھبرا کر میں کمرے سے نکل آتا اور خود باتیں کرتا۔ لونچا لونچا ہنستا۔ ڈیڈی اور ماما کو لطیفے سناتا۔ دوستوں کو گھر بلانے لگا۔ حالانکہ اس سے پہلے میرے دوست تھے ہی نہیں صرف ارحم بھائی تھے میرے دوست اور پھر عادت سی ہوگئی اور پردیس میں تو تنہائی یوں بھی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ ہم چند دوست کسی نہ کسی ویک اینڈ پر مل بیٹھتے تھے اور خوب ہلا گلا کرکے دل بہلاتے تھے۔"

"ابھی اور کتنا رہنا ہے وہاں۔"

"ایک سمسٹر رہ گیا ہے بس۔" صائم نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا۔

"کھانا لگوا دوں صائم یا کچھ دیر سے کھاؤ گے۔"

"ارحم بھائی کب تک آجائیں گے۔ دس تو بج رہے ہیں۔ آجائیں تو اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔"

"وہ دراصل صائم' ارحم بھائی ادھر نہیں رہتے۔ وہ انیکسی میں رہتے ہیں۔ ان گزشتہ سالوں میں وہ جتنی بار بھی آئے وہاں ہی ٹھہرے۔ اپنا کھانا بھی خود بناتے تھے۔" عمنا نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

"کیوں' مجھے تو کبھی کسی نے نہیں بتایا۔ نہ ماما نے' نہ ڈیڈی نے۔ میری موجودگی میں تو وہ کبھی نہیں آئے یہاں۔ میں باہر چلا گیا تھا۔ تب وہ آئے تھے اور اس سے پہلے وہ ڈیڈی کے بائے پاس پر آئے تھے اور تب میں اپنے اسکول کے طلبا اور ٹیچرز کے ساتھ کاغان گیا ہوا تھا اور وہ میرے آنے سے پہلے ہی چلے گئے تھے۔ تب وہ صرف ایک ہفتہ رہے تھے یہاں۔ میں ان کو بلا کرلاتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو صائم میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ لیکن پلیز ارحم بھائی سے کچھ مت کہنا۔" صائم بیٹھ گیا' تو عمنا نے ہولے ہولے اسے وہ سب بتادیا جو ارحم نے اسے بتایا تھا۔

"لیکن تب اس صبح۔" اس نے کچھ یاد کرتے ہوئے عمنا کی طرف دیکھا۔

"میں ڈیڈی کی بلند آواز سن کر کمرے سے باہر آیا تھا۔ ارحم بھائی کا کمرہ میرے کمرے کے ساتھ ہی ہے نا۔ دروازہ کھلا تھا۔ میں ابھی پوری طرح جاگا نہیں تھا۔ مجھے تو پوری طرح کوئی بات ہی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ہاں ارحم بھائی مجھے دیکھ رہے تھے۔ لیکن ماما مجھے بازو سے پکڑ کر باہر لے آئی تھیں۔ بخدا عمنا میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میرا بھائی شرابی ہے۔ میری تو کئی راتیں اور دن ان کے کمرے میں گزرتے تھے۔ میں تو اکثر ان کے کمرے میں ہی سوجاتا تھا۔ مجھے تو کبھی سمجھ نہیں آیا کہ وہ اچانک ہم سب کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ میں کم عمر تھا۔ صرف بارہ سال کا۔ لیکن مجھے اتنا پتا تھا کہ وہ سحر آپی سے محبت کرتے ہیں اور انہوں نے سحر آپی کی شادی کا اثر لیا ہے۔ ان کے جانے کے بعد جب بھی ڈیڈی نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا کہ ارحم نے شراب پی اور ہر بار میں نے تردید کی پورے یقین سے کہا کہ ارحم بھائی ایسے ہرگز نہیں ہیں۔" وہ ایک دم

اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کھانا لگواؤ میں آتا ہوں۔"

عینا کچن میں آئی تو رفیق نے بتایا" ارحم صاحب نے کھانا بھجوانے سے منع کر دیا تھا۔ کہہ رہے تھے باہر سے کھا آیا ہوں۔"

عینا سر ہلا کر ڈائننگ روم میں آ گئی۔ شازیہ ٹیبل لگا رہی تھی۔ وہ اسے ہدایات دینے لگی۔ حالانکہ وہ ٹرینڈ تھی۔ اسے کسی ہدایت کی ضرورت نہ تھی۔

"سلاد نہیں رکھا تم نے۔"

"بس باجی ابھی لائی۔" شازیہ چلی گئی تو وہ یوں ہی کھڑی ہو کر ٹیبل کا جائزہ لینے لگی۔

"کیا کیا پکا ہے بھئی۔" صائم جیسے ہی ڈائننگ روم میں آیا تھا۔ عینا نے مڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھیں ایک دم جگمگا اٹھیں۔ صائم' ارحم کے بازو میں بازو ڈالے کھڑا تھا۔

"ارحم بھائی آپ آ گئے نا۔"

"یار میں نے کہا بھی ہے کھانا کھا کر آیا ہوں۔"

ارحم نے عینا کی آنکھوں میں اترتے خوشی کے جگنو دیکھ لیے تھے اور اسے لگا تھا جیسے اس نے صائم کے ساتھ آ کر اچھا کیا ہے۔ اس نے صائم کی ساری بات تحمل سے سنی تھی۔

"جو گزر گیا سو گزر گیا۔ صائم میں بھول گیا سب مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ میری اپنی ایک دنیا ہے اور میں اس میں خوش ہوں۔ تنہا" اکیلے رہنے کا عادی ہو چکا ہوں' ہر رشتے کے بغیر۔ مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں۔ نہ ہی کوئی شکوہ ہے۔ ہر ایک نے اپنے ظرف کے مطابق جانا اور سمجھا اور میں نے اسے قبول کر لیا۔ میں یہاں صرف ڈیڈی سے ملنے آیا تھا۔ صرف اس لیے کہ روز محشر میری پرسش نہ ہو۔" لیکن اس کے سامنے بھی صائم تھا۔ جس نے بارہ برس کے ہر دن اسے یاد کیا تھا۔

"اور میں اپنے بارہ برسوں کا حساب کس سے لوں۔ صائم ہر رات میں نے تڑپتے گزاری۔" اس نے سوچا تھا۔

"ارحم بھائی۔۔۔ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلیں گے تو میں بھی یہاں ہی رہوں گا آپ کے ساتھ۔ آپ کو یاد ہے نا میں بچپن میں بھی ایسا ہی کرتا تھا۔ میں زبردستی آپ کے کمرے میں ہی سو جاتا تھا اور اگر آپ میرے ساتھ آ کر کھانا نہیں کھائیں گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ حالانکہ مجھے بہت بھوک لگی ہے اور آپ کو پتا ہے کہ میں بھوک بالکل بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کروں گا۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا تھا۔ ارحم متذبذب سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ صائم نے جوتے اتارے تھے اور بیڈ پر لیٹ کر کمبل سر تک تان لیا تھا۔ ارحم جھنجلایا تھا۔

"کیا کر رہے ہو صائم' جاؤ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آرام سے سو جاؤ۔" لیکن صائم نے کروٹ بدل لی تھی۔

"سونے سے پہلے لائٹ آف کر دیجیے گا۔ آپ کو پتا ہے نا مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی۔" اس نے کمبل میں منہ دیے دیے ہی کہا تھا۔

"اور جب پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہوں تو پھر بالکل بھی نہیں آتی۔"

"اور میں کہاں سوؤں گا۔ اٹھو میرے بیڈ سے۔"

"بیڈ پر کافی جگہ ہے' صوفہ بھی ہے' جہاں جی چاہے سو جائیں۔" وہ لمحہ بھر وہاں ہی بیڈ کے پاس کھڑا سوچتا رہا تھا۔ پھر اس کا کمبل کھینچا تھا۔

"اٹھو۔۔۔ چیٹر ہو' تم بلیک میلر۔۔۔ ہمیشہ مجھے بلیک میل کرتے ہو بچپن سے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور بیڈ پر آلتی پالتی مارے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کاش مجھے اس وقت پتا چل جاتا کہ آپ گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں اور پھر بارہ سال تک میں آپ کی صورت نہ دیکھ سکوں گا' تو میں کسی نہ کسی طرح آپ کو روک ہی لیتا' چاہے بلیک میل کرتا' چاہے چیٹ۔"

"صائم پلیز۔۔۔ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اب سب کچھ ویسا نہیں ہو سکتا' جیسا پہلے تھا۔ دل پتھر ہو چکا اور روح نے بے حسی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔"

"ہاں سب کچھ بدل گیا ہو گا۔ لیکن صائم کا دل تو

نہیں بدلا ارحم بھائی۔۔۔ اور یہ کبھی بھی نہیں بدلا تھا۔
اس دل میں ارحم بھائی صائم کے واحد دوست ہیں آج بھی۔ صائم نے ان بارہ سالوں میں ہر رات سونے سے پہلے ارحم بھائی کے لیے دعا کی۔ ان سے ملنے کی دعا۔ جب جب فون کیا پہلے یہی پوچھا کہ ڈیڈی' ارحم کا فون آیا ارحم بھائی کا کچھ پتا چلا۔ آپ کو ماما سے گلہ تھا۔ سحر آپی سے شکوہ تھا۔ مجھ سے کیوں منہ موڑ لیا۔ میں تو آپ کا اپنا تھا آپ کا پیارا صائم۔"

"اور ان دونوں سے ہی تو مجھے شکوہ نہیں تھا صائم۔" بے اختیار لبوں سے پھسلا تھا۔

"اور پھر کیا مجھ سے اور ڈیڈی سے۔۔۔"

"اب وہ اسے کیا بتاتا کہ ہاں ان ہی دونوں سے۔"

"یار زچ مت کرو۔ صائم مجھے سونے دو' نیند آرہی ہے۔"

"تو سو جائیں۔" وہ پھر کمبل تان کر سونے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

"صائم۔" اس نے دانت پیسے تھے اور اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لے آیا تھا۔

"چھوڑو۔۔۔ بلیک میلر۔" وہ بڑبڑایا تو ٹیبل پر سلاد رکھتی عہنا نے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے کچھ کہا آپ نے ارحم بھائی۔"

"نہیں۔۔۔" اس نے صائم کی طرف دیکھا۔ جس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اب بیٹھو بھی' شکل کیا دیکھ رہے ہو' تمہارے تو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔" ارحم چڑا ہوا تھا۔

"ہاں تو دوڑ رہے ہیں نا۔" صائم نے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ لیے کرسی کھینچی۔ تو ارحم بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

عہنا نے اس کی طرف ڈش بڑھائی۔

"ارحم بھائی یہ روسٹ لیں اور صائم تم بھی لو نا۔"

"تم نے بنایا ہے۔" صائم نے پوچھا۔

"نہیں۔ حمیدہ نے۔" صائم اور عہنا باتیں کر رہے تھے اور ایک خوب صورت منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آرہا تھا۔ وہ صائم' ڈیڈی' ماما اور سحر۔ کھو سا گیا تھا اور چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے ہوئے اس کا دھیان صائم اور عہنا کی طرف نہیں تھا۔

"ارے صائم تم کوئی اور خبر بھی دینے والے تھے۔ کیا خبر تھی وہ۔" عہنا کو اچانک یاد آیا تھا۔

"وہ سحر آپی آئی ہوئی ہیں۔"

"کب آئی ہیں۔"

"ہفتہ بھر پہلے میری بات ہوئی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ وہ پاکستان جا رہی ہیں۔ ان کے سسرال میں کسی کی شادی ہے۔ اسی میں شرکت کے لیے آئی ہیں۔"

"شادی میں مصروف ہوں گی۔ تب ہی تو فون نہیں کیا' ملنے نہیں آئیں۔"

اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔ ورنہ ایک لمحہ کے لیے جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا تھا ارحم کا دھیان ان کی باتوں کی طرف نہیں تھا۔ وہ ماضی میں کھویا ہوا تھا۔

"ارحم بھائی آپ کچھ لے نہیں رہے۔" عہنا نے چور نظروں سے ارحم کی طرف دیکھا۔ کیا اس نے سحر کے آنے کا سن لیا ہے۔

"میں نے بتایا تھا صائم کو کہ میں کھا آیا ہوں۔ لیکن یہ زبردستی لے آیا ہے۔" ارحم نے چونکتے ہوئے عہنا کی طرف دیکھا۔

"اچھا کیا نا۔۔۔ بہت اچھا لگ رہا ہے مجھے کہ آپ آگئے۔ یہ خوشی جو اس وقت آپ کے یہاں آنے سے صائم کو اور مجھے ملی ہے آپ نہ آتے تو یہ خوشی کے لمحات ہمارے ہاتھوں سے پھسل جاتے۔ یہ لمحے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ جب کبھی آپ ان لمحوں کو سوچیں گے تو آپ کو اچھا لگے گا کہ آپ نے صائم کا مان رکھا۔"

"اور میرا مان کس نے رکھا تھا عہنا۔ کسی نے نہیں۔" ارحم نے دل گرفتگی سے سوچا اور کھڑا ہو گیا۔

"اب میں چلوں صائم۔"

"کہاں۔۔۔" صائم نے منہ میں بریانی کا چمچہ ڈالتے ہوئے ارحم کی طرف دیکھا۔

"ٹیکسی میں۔"

"کیوں بھئی آپ نے ادھر ہی سونا ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں آپ ادھر ہی رہیں گے۔ اپنے کمرے میں اور میں آپ کے کمرے میں۔ پھر دیر تک باتیں کریں گے۔ پچھلے بارہ برسوں کی باتیں کچھ آپ سنائیے گا۔ کچھ میں سناؤں گی۔ حکایت دل کہیں گے۔ کچھ حسینوں۔ جبینوں کا ذکر ہو گا اور رات کٹ جائے گی۔"

"صائم تمہاری باتیں مجھے ہضم نہیں ہو رہی ہیں۔" ارحم سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے تصور میں تم ابھی تک وہی بارہ سال کے صائم ہو۔"

"لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اب بارہ سال کا نہیں ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ عینا ٹشو سے ہاتھ صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ بیٹھیں نا ارحم بھائی۔ میں نے باداموں کا حلوہ بنایا ہے۔ اس سرد موسم میں بہت اچھا لگے گا' چکھیں تو۔" اس نے دروازے کے قریب جا کر شازیہ کو آواز دی۔

"حلوہ لے آؤ شازیہ۔" اور پھر خود بھی باہر چلی گئی۔

"صائم۔" ارحم نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"بس ارحم بھائی۔ اب اور کچھ مت کہیے گا۔ نہیں تو میں نے دھاڑیں مار' مار کر رونا شروع کر دینا ہے۔" صائم نے بے حد سنجیدگی سے کہا تو ارحم نے بے بسی سے اسے دیکھا اور بیٹھ گیا۔

"عینا صحیح کہتی ہے ارحم بھائی باہر سے اخروٹ کی طرح سخت ہیں اور اندر سے نرم۔"

صائم نے چہرہ جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔ وہ ارحم کو واپس لانا چاہتا تھا اس گھر میں۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو پچھلے بارہ سال زندگی کی کتاب سے پھاڑ کر پھینک دیتا۔ پچھلے سال اس نے ڈیڈی کو ارحم کے لیے روتے دیکھا تھا۔ وہ اس سے ملنے بوسٹن آئے تھے۔ یونیورسٹی ہوسٹل میں اس کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے انہوں نے ارحم کی بہت سی باتیں کی تھیں۔

"وہ ہمیشہ سے ہی بہت Sensitive (حساس) تھا۔ مجھے اس کے لیے وہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہیے تھے۔ میں نے اسے hurt کیا صائم۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ اس سے بھی غلطی ہوئی۔ وہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے اور پھر جس طبقے سے ہم ہیں وہاں تو یہ بات عام سی ہے۔ لیکن مجھے فخر تھا کہ نہ میں' نہ میرا بیٹا۔ مجھے شاک لگا تھا' اور اس روز اس نے پورے یقین سے کہا تھا۔ "ڈیڈ بعض اوقات آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں۔ وہ صحیح نہیں ہوتا۔ میں نہیں جانتا وہ منظر کس نے Create (تخلیق) کیا تھا لیکن اس سے اگر آپ ارحم بھائی کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھ لیتے تو آپ کو یقین ہو جاتا کہ وہ ایک جھوٹ تھا' اور ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"ہاں اس کے جانے کے بعد میرے دل نے بارہا کہا کہ ارحم ایسا نہیں تھا۔ جب وہ اسپتال میں بستر پر پڑا تھا تو میں نے سوچا تھا۔ وہ ہوش میں آجائے گا تو میں۔ اس سے پوچھوں گا۔ وہ کون سا غم تھا جسے بھلانے کے لیے اس نے۔"

"ڈیڈی آپ یقین کر لیں۔ وہ سب جھوٹ تھا۔" صائم نے ان کی بات کاٹی تھی۔

"مجھے یقین ہے۔

وہ بہت نارمل تھا۔ بہت نرم دل وہ تو ایک چڑیا کے بچے کو گھونسلے سے گرا دیکھ کر رو پڑتا تھا۔ لیکن اب۔ اب اگر تم اسے دیکھو تو۔ میں نے جب چار سالوں بعد اسے دیکھا۔ اور پھر اس کے بعد تو ہر بار مجھے لگا۔ میرا دل پھٹنے لگا ہے۔ اتنا سپاٹ اتنا سخت چہرہ۔ اتنی ویران آنکھیں' اور وہ رو پڑے تھے۔ تب صائم نے عہد کیا تھا کہ اگر کبھی ارحم بھائی اسے ملے تو وہ انہیں واپس لائے گا ہر قیمت پر۔

عینا حلوہ لے کر آئی تو وہ دونوں کہنیاں میز پر لگائے ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا اور ارحم کی آنکھوں میں ایک نرم سا تاثر تھا۔ عینا حلوہ ٹیبل پر رکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

سحر نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے عہنا کی طرف دیکھا۔

وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی۔ عہنا نے چھ سالوں بعد اسے دیکھا تھا۔ چھ سال پہلے وہ آئی تھی تو گاؤں بھی آئی تھی اور صرف دو دن رہ کر چلی گئی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو گئی تھی۔ نازک جسم تھوڑا سا گداز ہو گیا تھا۔ ڈائمنڈ کا نیکلس اور ٹاپس پہنے وہ اس کی سحر آپی نہیں لگ رہی تھی' بلکہ کوئی اجنبی بیگم صاحبہ۔

"صائم نے بتایا تھا آپ کے آنے کا۔"

عہنا پتا نہیں کیوں اتنی گرم جوشی سے نہیں مل سکی تھی' جتنی کہ ملنا چاہیے تھا۔

"ہاں تو اس لیے تمہارا منہ پھولا ہوا ہے کہ میں اتنے دنوں سے تمہیں ملنے نہیں آئی۔" سحر نے پتا نہیں کیسے محسوس کر لیا تھا۔

"آتے ہی تو شادی کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ پھر پتا چلا تھا پھپھو بھی کراچی نہیں ہیں تو میں نے سوچا ایک بار ہی جاؤں گی۔"

"یعنی میری کوئی اہمیت نہیں۔" عہنا نے سوچا۔

"پھپھو نے کب آنا ہے۔"

"شام کو۔" عہنا نے مختصرا" جواب دیا۔

"آپ بچوں کو نہیں لائیں۔"

"ہاں ان لوگوں نے شادی بھی تو جنوری میں رکھ دی۔ ابھی چھٹیاں ختم ہوئی تھیں اور اسکول کھلے تھے تو خرم نے کہا۔ بچوں کو ان کی کزن کے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔ خرم کی کزن ساتھ ہی رہتی ہیں۔ وہاں ایک روڈ کراس کر کے۔ یہ بتاؤ اماں کیسی ہیں۔"

"بیمار رہتی ہیں اکثر۔" عہنا اماں کے ذکر پر اداس ہو گئی۔

"آپ کب جائیں گی اماں سے ملنے۔"

"دیکھو کب جانا ہوتا ہے' لیکن ظاہر ہے مل کر ہی واپس جاؤں گی۔"

"آپ خوش ہیں سحر آپی۔"

"ہاں تمہیں کیا لگتا ہے۔" سحر کو اس کے سوال پر حیرت ہوئی۔

"آپ کو ارحم بھائی یاد نہیں آتے۔"

"میرا خیال ہے چھ سال پہلے جب میں آئی تھی تب بھی تم نے پوچھا تھا اور میں نے جواب دیا تھا تمہیں یاد ہے۔" عہنا نے سر ہلایا۔

"میرا مطلب ہے وہ... آپ کو ان سے محبت تھی نا' پھر آپ نے خرم بھائی سے کیوں شادی کی۔" سحر نے ایک گہری سانس لی۔

"تم ابھی بھی اتنی ہی بے وقوف ہو عہنا جتنی تب ہوا کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں تم سے ارحم کی باتیں کیا کرتی تھی۔ حالانکہ تم چھوٹی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے۔ میں اماں یا شنا وغیرہ سے یہ دل کی باتیں نہیں کر سکتی تھی اور مجھے پتا ہے کہ جب میری شادی خرم سے ہو گئی تو تم حیران ہوئیں اور ابھی تک الجھی ہوئی ہو۔ تب ہی یہ سوال کرتی ہو تو آج تمہاری الجھن دور کر دوں۔" عہنا خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"ہاں مجھے ارحم پسند تھا جب میں یہاں آئی تو میں نے ارحم کو دیکھا۔ اپنے آپ میں مگن' بے نیاز سا لڑکا تو مجھے اچھا لگا وہ۔ اور میں نے سوچا تھا کہ اگر اس سے میری شادی ہو گئی تو زندگی بہت اچھی گزرے گی۔ اتنا بڑا گھر' دولت' آرام اور کیا چاہیے ہوتا ہے زندگی میں... لیکن جب آپ کے سامنے ایک بہتر چوائس ہو تو بہتر کا انتخاب کرنا چاہیے۔ پہلے میرے پاس کوئی چوائس نہیں تھی' پھر میں نے خرم کو دیکھا۔ وہ بے اختیار میری طرف بڑھا تھا۔"

"تو خرم بھائی آپ کے نزدیک بہتر چوائس ہے۔" عہنا نے پوچھا۔

"ہاں ہر لحاظ سے۔" سحر کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اور پھر میں نے دیکھا پھپھو بھی ارحم کو دل سے پسند نہیں کرتی تھیں۔ اگرچہ بظاہر اس کا اظہار نہیں کرتی تھیں تو..."

"اور آپ نے ارحم بھائی کا دل توڑ دیا۔" عہنا کے لہجے میں دکھ تھا۔

"بے وقوف لڑکی۔" سحر ہنسی۔
"ارحم جیسے لڑکوں کے دل ٹوٹ ٹوٹ کر جڑتے رہتے ہیں۔"
"ارحم جیسے لڑکوں سے کیا مراد ہے آپ کی۔" عینا کو ناگوار لگا تھا۔
"بھئی یہ فلرٹ قسم کے لڑکے کیا پتا یونیورسٹی میں کتنی لڑکیوں سے دوستی کر رکھی ہو اس نے۔" سحر کھڑی ہوگئی۔
"او کے عینا گڑیا اب چلتی ہوں۔ دراصل میں شاپنگ کے لیے نکلی تھی۔ سوچا تم سے بھی ملتی چلوں تمہارے گفٹ وغیرہ بھی لاؤں گی۔ شام کو خرم کے ساتھ چکر لگاؤں گی۔ تب تک پھپھو بھی آجائیں گی۔" عینا نے سرہلا دیا۔
وہ سحر سے مل کر اس طرح خوش نہیں ہوئی تھی۔ جس طرح چھ سال پہلے ہوئی تھی۔ کتنی بے چینی سے انتظار کیا تھا اس نے تب اور کتنا روئی تھی۔ جب وہ جارہی تھی۔ اتنی جلدی سحر آپی۔۔۔ جی نہیں بھرا' کچھ دن تو رک جائیں۔ وہ آخر دم تک منتیں کرتی رہی تھی۔ لیکن آج۔۔۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ کیا اس لیے کہ سحر نے ارحم بھائی سے بےوفائی کی تھی۔ چھوٹ کیا تھا انہیں۔۔۔ بھلے شادی نہ کرتیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ انہوں نے پھپھو کے ساتھ مل کر انہیں انکل فراز کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی تھی اور یہ طے تھا کہ یہ انہوں نے ہی کیا تھا اور صائم جانتا تھا یہ شادی کرنا نہ کرنا ان کا حق تھا۔۔۔ لیکن ڈیڈی کی نظروں میں انہیں گرانا یہ تو صریح جرم تھا۔
"ہے۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو۔" اسے صائم کے آنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔
"تم کب آئے ہو صائم اور ارحم بھائی کہاں ہیں۔"
"ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں اور ارحم بھائی ڈاکٹر خالد سے ملنے چلے گئے۔"
"شاپنگ ہوگئی۔"
"تقریباً۔۔۔" وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔ وہ ارحم کے ساتھ شاپنگ کے لیے گیا تھا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے۔"
"مجھے کچھ نہیں۔"
"کچھ تو ہے' جس کی پردہ داری ہے۔" وہ گنگنایا۔
"کچھ بھی تو نہیں بھئی یونہی سحر آپی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ ملنے آئی تھیں۔ شام کو خرم بھائی کے ساتھ آئیں گی۔"
"تمہیں سحر آپی کے آنے سے خوشی نہیں ہوئی۔" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔
"کیوں بھلا خوشی کیوں نہیں ہوگی۔ بس اماں کے متعلق سوچ رہی تھی کہ آپی اماں سے ملنے جائیں گی تو میں بھی چلی جاؤں۔ بہت یاد آتی ہیں مجھے۔" ماما آجائیں تو سب چلتے ہیں ملنے۔ مجھے بھی مامی سے ملے عرصہ ہوگیا ہے۔ وہی بارہ سال پہلے ملا تھا۔ سحر آپی کی شادی پر۔"
"ہوں ٹھیک ہے۔" عینا اداس سی تھی اور اسے خود پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیوں اداس ہے۔
"یاد ہے عینا جب تم سحر آپی کی شادی پر آئی تھیں تو میں نے تمہاری تصویر اتار لی تھی۔"
"ہاں یاد ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد میں نے کئی بار سوچا تھا۔ پھپھو سے کہوں تم سے میری تصویر لے کر بھیجیں۔ مجھے بہت شوق تھا۔ اپنی تصویر دیکھنے کا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی تصویر نہیں بنوائی تھی اور میں دیکھنا چاہتی تھی کہ میری تصویر کیسے آئی ہے۔"
"بہت پیاری آئی تھی تمہاری تصویر۔" صائم کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔
"اچھا جھوٹ مت بولو۔ سحر آپی کی شادی کے سال بھر بعد میٹرک کے داخلہ فارم پر لگانے کے لیے میں نے ماموں کے ساتھ جاکر فوٹوگرافر کی دکان پر اپنی زندگی کی دوسری تصویر بنائی تھی' لیکن وہ بہت خراب تھی۔"
"لیکن جو میں نے اتاری تھی وہ تو بہت اچھی تھی' دیکھوگی۔"
"تم نے اب تک رکھی ہوئی ہے صائم میں تو زاق

سمجھ رہی تھی۔"

"ہاں تو وہ میری شاہکار تصویر ہے۔ سنبھال کر کیوں نہ رکھتا۔" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دکھاؤ نا کہاں ہے۔"

"دل میں۔" اس نے زیر لب کہا اور والٹ کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔

والٹ میں اس کی تصویر لگی تھی۔ وہی سحر آپی کی شادی والی۔

"بے تاثر میلی سے نخریلی سی۔"

"صائم۔" وہ حیران ہو رہی تھی۔ وہ تب صرف بارہ سال کا تھا اور وہ چودہ سال کی اور ان کے درمیان اس طرح کی اپنائیت اور بے تکلفی بالکل نہ تھی جیسے کزنز میں ہوتی ہے۔ شاید اس کی وجہ اسٹیٹس کا فرق تھا یا پھر دوری میل ملاپ نہ ہونا۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو۔" صائم نے والٹ اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"فوٹوگرافی میری ہابی بھی ہے۔ اس لیے میں اپنی اتاری ہوئی ہر تصویر سنبھال کر رکھتا ہوں۔ چاہے وہ کسی بلو نگڑے کی کیوں نہ ہو۔ ابھی لاسٹ ایر لندن میں میری تصویروں کی نمائش ہوئی تھی۔ آؤ نا میں تمہیں اپنی شاپنگ دکھاؤں۔ ارحم بھائی کی چوائس بہت اچھی ہے۔ ان کے بغیر میں اتنی اچھی شاپنگ نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلے سال بھی جب میں آیا تھا تو کئی فالتو چیزیں لے لی تھیں۔ یورپ بہت مہنگا ہے۔ میں ہمیشہ سال بھر کے لیے یہاں سے ہی شاپنگ کرتا ہوں۔ اٹھو چلو کیا سوچ رہی ہو۔"

"ہاں چلو۔" عہنا جو ابھی بھی سحر کے متعلق سوچ رہی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں باہر نکل آئے۔

☼ ☼ ☼

آج بظاہر منظر پورا مکمل تھا۔ بالکل ایسا ہی جیسا اس نے کبھی خوابوں میں دیکھا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر وہ سب تھے۔ وہ ڈیڈی اور صائم ساتھ ساتھ تھے۔ ماما اس کے بالکل سامنے تھیں دائیں طرف سحر تھی۔ وہ جب صائم کے ساتھ آکر بیٹھا تھا تو سحر اس کے مقابل تھی۔ پھر وہ اٹھ کر دائیں طرف بیٹھ گئی۔ پتا نہیں اس نے دانستہ ایسا کیا تھا یا پھر یوں ہی بے خیالی میں اٹھی تھی۔ منظر بظاہر مکمل تھا، لیکن کیا واقعی مکمل تھا۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر سحر پر ڈالی تھی اور حیران سا ہوتا ہوا بیٹھ گیا تھا۔ یہ سحر تھی اس کے مقابل بیٹھی، وہ سوچتا تھا ہمیشہ کہ جب بھی اس نے سحر کو دیکھا تو وہ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو جائے گا یا پھر شاید اس کے اندر بھڑکتی آگ یکدم شعلہ بن کر اسے جلا ڈالے گی۔ وہ کیسے کس طرح دیکھ پائے گا اسے، وہ نظریں جو اس کی طرف اٹھتی تھیں تو پھر جھکنا بھول جاتی تھیں۔ ان نظروں میں وہ التفات، وہ محبت نہیں ہوگی تو وہ کیونکر گردش دوراں کا بدلا ہوا چہرہ دیکھ پائے گا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک سرسری سی نظر اس پر ڈال کر ڈیڈی سے بات کرنے لگا تھا اور وہ اٹھ کر دائیں طرف والی چیئر پر بیٹھ گئی تھی اور اس کی چھوڑی ہوئی چیئر پر آکر عہنا بیٹھ گئی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے اس نے عہنا کی طرف مسکرا کر دیکھا تھا اور اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا تھا۔

اس نے دو، تین بار سحر کی کھوجتی نظروں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کی تھی۔ جب عہنا نے اسے بتایا تھا کہ سحر آئی ہوئی ہے تو ایک لمحہ کو اسے اپنا دل پاتال میں گرتا محسوس ہوا تھا۔ پھر پوری رات وہ سو نہیں پایا تھا۔

"ایک اور رتجگا۔" اس نے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ کیا اسے بھی اب ہی آنا تھا۔ پچھلے دو دن کتنے اچھے گزرے تھے۔ صائم وہ اور عہنا۔ وہ سالوں بعد صائم کی باتوں پر دل کھول کر ہنسا تھا۔ اس نے صائم کے ساتھ شاپنگ کی تھی اور رات کے وقت ٹھنڈے یخ ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے۔ وہ سڑکوں پر ٹہلتے تھے اور اتنی دور تک چلے تھے کہ ان کی ناکیں جیسے سرد ہو کر چہرے پر رہی ہی نہیں تھیں اور پھر کافی ہاؤس میں بیٹھ کر گرم گرم کافی پیتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

"عہنا سچ ہی تو کہتی ہے، زندگی صرف سحر پر ختم

نہیں ہو جاتی اور یہ کہ اسے اپنے اندر نئے پھول اگانے چاہئیں اور اس رات اس نے اپنے اندر نئے پھول اور گل بوٹے اگتے محسوس کیے تھے۔ لیکن پھر۔۔۔"
"سحر آئی تھی مجھ سے ملنے۔" عینا بتا رہی تھی اور وہ سارے گل بوٹے اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ اکھاڑ کر پھینک رہا تھا۔ نہیں اس نام کے بعد کسی اور نام کی گنجائش نہیں رہی۔ سو طے ہوا کہ خزائیں مقدر ٹھہریں اور بہار میرے لیے نہیں، پھر میں کیوں نئے پودے اور پھول لگا رہا ہوں اور ان کی آبیاری کر رہا ہوں۔ وہ پورا دن بے چین رہا تھا۔ صائم اور عینا کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان کے ساتھ نہیں تھا۔
"صائم اب میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی، لیکن آج سے میں پھر ٹیکسی جا رہا ہوں۔ دیکھو اب مجھے یہاں رہنے پر مجبور نہ کرنا۔" اس کمرے میں رہنا کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ یہی وہ کمرہ تھا جہاں اس کا مان ٹوٹا تھا۔ جہاں اس نے ڈیڈی کی آنکھوں میں اپنے لیے بے یقینی دیکھی تھی۔ اور صائم کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔
"ٹھیک ہے، لیکن کھانا، ناشتا سب ہمارے ساتھ ہی کھائیں گے۔ کم از کم تب تک جب تک میں ہوں۔"
"میں شاید تم سے پہلے ہی چلا جاؤں صائم۔ کل ڈیڈی سے مل کر ایک، دو روز میں۔۔۔"
"لیکن ابھی تو آپ کی چھٹیاں ہیں نا۔" صائم زیادہ ٹھہرنے پر اصرار کرتا رہا لیکن وہ سحر کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا نہ ہی اسے دیکھنا چاہتا۔ شاید وہ خود سے ڈرتا تھا۔ اسے دیکھے گا تو اس پر کیا گزرے گی۔ پتا نہیں وہ اکیلی آئے گی یا اپنے شوہر کے ساتھ۔ دوپہر میں بیگم راحت آئی تھیں۔ صائم اسے خود بلانے آیا تھا۔ لنچ کے لیے اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر دیا تھا اور صائم نے بھی زیادہ زور نہیں ڈالا تھا اور اب ڈیڈی آگئے تھے اور وہ یہاں تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے گلے لگاتے ہوئے ڈیڈی کی آنکھیں برس پڑی تھیں۔ لیکن اس نے اپنے گداز ہوتے دل کو پتھر کر لیا تھا۔ خشک آنکھوں کے ساتھ وہ ان سے الگ ہوا تھا۔

"تم بہت کمزور ہو گئے ہو ارحم۔" ڈیڈی نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔
"ہاں میری جاب بہت محنت والی ہے۔" اس نے مختصراً کہا تھا۔ تپتے ہوئے سورج کے نیچے گرم ریت پر کام کرنا پڑتا ہے۔ رنگ جھلس جاتا ہے اور۔۔۔ خیر۔۔۔"
"کیا ضرورت ہے اتنی محنت کی ارحم یہ سب کچھ کس کا ہے آخر۔"
"یہ سب میں برسوں پہلے چھوڑ چکا اور میں اس سب پر کوئی حق نہیں رکھتا۔"
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے ارحم، تم اور صائم ہی ہو میرے وارث۔"
"ڈیڈی پلیز۔۔۔ ہم اس موضوع پر بات کر چکے ہیں۔"
"میں یہاں اپنے لیے نہیں آتا۔ آپ کے لیے آتا ہوں۔ تاکہ آپ مجھے دیکھ سکیں۔"
اور وہ خاموش ہو گئے تھے۔ جانتے تھے اس کی ضد اور اس کا غصہ۔
"خرم نہیں آیا تمہارے ساتھ۔" بیگم راحت نے سحر سے پوچھا تو وہ چونک کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگی۔
"وہ گھر پر نہیں تھے آج اسلام آباد گئے ہیں۔"
"تم ٹھیک ہو بیٹا۔ بڑے عرصہ بعد آئیں۔" فراز خان بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
"جی بالکل ٹھیک ہوں۔ بہت بزی لائف ہے۔ بچوں کی ایجوکیشن خرم کا بڑھتا بزنس چاہت کے باوجود نہیں آسکے اب بھی بچے وہاں ہی چھوڑ کر آئے ہیں، خرم کی کزن کے گھر۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک جتاتی نظر ارحم پر ڈالی تھی اور ارحم کو حیرت ہوئی کہ سحر کی اس بات کا اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا کہ وہ کہیں اور کسی اور کے شبستان میں مہکتی ہے اور خوش ہے۔ اس نے سر اٹھا کر مقابل بیٹھی عینا کی طرف دیکھا تھا جو چھوٹے چھوٹے نوالے لے رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے اداسی جھلکتی تھی۔ یقیناً وہ اس کے لیے اداس تھی۔ دل کو یقین ہوا۔

"عہنا پلیز ذرا یہ کوفتے والا ڈونگا پکڑانا۔" اس نے عہنا کو مخاطب کیا۔ سحر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ عہنا کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ عہنا نے ڈونگا اس کی طرف بڑھایا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ارحم کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور دل عجیب انداز میں دھڑکا۔

"سحر آپی آپ کب ماں سے ملنے جارہی ہیں۔" صائم نے اسے مخاطب کیا تو اس نے نظریں ارحم کے چہرے سے ہٹا کر صائم کی طرف دیکھا۔

"خرم آجائے اسلام آباد سے تو پروگرام بناتی ہوں۔

"اماں سے کل بھی بات ہوئی تھی مختصر سی۔ اگر خرم کے پاس وقت نہ ہوا جانے کا تو ان سے کہوں گی وہ مل جائیں آکر۔"

"خرم بھائی نہ بھی گئے تو آپ ہمارے ساتھ چلیے گا۔" صائم نے انوائیٹ کیا۔

"تم کب جارہے ہو۔" سحر نے پوچھا۔

"ماما ذرا اپنی تھکن اتار لیں تو دو روز تک میں، ماما اور عہنا چلیں گے۔ صبح جائیں گے، شام کو آجائیں گے۔"

"پھر تو اچھی بات ہے۔ خرم گاؤں جانے سے گھبراتا ہے۔" سحر خوش ہوگئی تھی۔ اس سارے عرصہ کے دوران بیگم راحت سر جھکائے خاموشی سے کھانا کھاتی رہی تھیں۔

"تم بہت خاموش ہو راحت کیا بات ہے۔" فراز خان نے انہیں مخاطب کیا۔

"میں منیر لاکھانی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ بہت تیز شخص ہے۔ اس نے جو ایگریمنٹ سائن کیا ہے اس میں سب شرائط اپنی مرضی کی لکھوائیں۔"

"تم بھی راحت اس وقت بزنس کی باتیں بھول جاؤ۔ تمہارے بچے گھر آئے ہوئے ہیں، انہیں ٹائم دو۔" بیگم راحت مسکرا کر صائم کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ کھانا خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ ارحم، صائم کے روکنے کے باوجود کھانے کے فوراً بعد ٹیکسی میں آگیا تھا۔ بہت دیر تک وہ کھڑکی کے پاس کھڑا باہر دیکھتا رہا۔ یہ کیسا احساس تھا جو اچانک اس کے اندر جاگا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار عہنا کا چہرہ آرہا تھا۔ اس کی باتیں سنتی اس کے لیے دکھی ہوتی۔ اس کے لیے روتی۔ اسے مشورے دیتی۔ یہ عہنا جلال اسی سحر جلال کی بہن تھی۔ جس نے اس کا دل کچل ڈالا تھا۔ جیتے جی مار دیا تھا اور یہ عہنا جلال تھی جو اپنی نرم باتوں سے اس کے زخموں پر پھاہے رکھتی تھی اور پاؤں میں چبھے کانٹے چنتی تھی اور اس کے لیے جگنو تلاش کرنا چاہتی تھی اور اسے خزائیں رخصت کرنے کو کہتی تھی اور وہ تھا کہ اپنے رویے سے اسے تکلیف پہنچاتا تھا۔ پھر بھی وہ تھوڑی دیر بعد بھول جاتی تھی اور اس کے لیے پریشان ہونے لگتی تھی۔

اس جیسا کوئی نہیں۔۔۔ یہ کیسی خواہش ہے جو دل میں پنپ رہی ہے۔ ہمیشہ اس کے قریب رہنے کی خواہش، نہیں۔۔۔ یہ میں کیا سوچ رہا ہوں بھلا۔ اس نے سر جھٹکا۔ کھلی کھڑکی سے آنے والی ہوا نے کمرہ بالکل سرد کردیا تھا۔

"عہنا جلال تم چپکے سے میرے اندر سرایت کرگئی ہو۔" کھڑکی بند کرکے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے پھر سوچا۔

"اور یہ صحیح نہیں ہے۔ میں ایک بار پھر اس عذاب سے نہیں گزرنا چاہتا جس سے پہلے گزرا تھا اور پھر عہنا وہ معصوم سی سادا دل لڑکی وہ بھلا کیا سوچے گی۔ اگر اسے میری سوچوں سے آگاہی ہوجائے تو۔۔۔ اس نے شعوری کوشش سے عہنا کا خیال جھٹکا اور بیڈ پر لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"یار خالد لگتا ہے مجھے عہنا سے محبت ہوگئی ہے۔" وہ خالد کے ڈرائنگ روم میں اس کے مقابل بیٹھا ہوا تھا۔ خالد کا قہقہہ بہت بلند تھا۔

"تمہیں آج لگا ہے مجھے تو اسی دن پتا چل گیا تھا۔ جب محترمہ بیڈ روم سلیپر پہنے رات کے لباس میں

ملبوس رو رو کر تمہاری صحت کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں کہ یہ خدمتیں رنگ لائیں گی ایک دن۔"

"حکومت خالد میں بہت پریشان ہوں۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میری جان بس سہرا باندھنے کی تیاری کرو۔"

"میرا یار بنے گا دولہا اور پھول کھلیں گے دل کے۔" اس نے بیٹھے بیٹھے ہی ٹھمکا لگایا۔

"خالد۔" اس نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ "مذاق مت کر یار۔"

"ارحم۔" خالد سنجیدہ ہو گیا۔

"کون سی چیز تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔ تمہاری عزیز بھی ہے۔ پھر سیدھے سبھاؤ رشتہ بھجوا دو۔"

"وہ مجھ سے عمر میں بہت چھوٹی ہے۔"

"تو میری بیوی تیرہ سال چھوٹی ہے مجھ سے کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔"

"وہ بیگم راحت کی بھتیجی ہے۔ وہ شاید ایسا نہ چاہیں۔"

"کیوں نہیں چاہیں گی وہ تم سے بہتر داماد کہاں ملے گا انہیں۔" خالد کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔

"کیا تم سحر کی وجہ سے۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اب وہ اسے کیا بتاتا کہ بات صرف سحر کی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ کیسے اسے بتاتا وہ بھرم کھونا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ آج تک سوائے عینا کے اس نے کسی سے حتی کہ خالد کو بھی سب نہیں بتایا تھا۔ خالد صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ سحر سے محبت کرتا تھا اور سحر نے اس کے بجائے کسی اور سے شادی کر لی۔

"کیا وہ جانتی ہے۔" خالد نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو اسے بتا دو۔"

"کیسے۔" وہ ایک بار پھر بے بس نظر آ رہا تھا۔ "وہ کیا سوچے گی کہ میں نے اس کی ہمدردی اور دوستی کا غلط مطلب لیا۔"

"وہ ایسا کچھ نہیں سوچے گی میرے یار۔ ایک بار کہہ کر تو دیکھو۔" خالد نے اسے تھپکی دی۔

"میں نہیں جانتا یہ کیسے ہوا، کیوں ہوا، لیکن ہو گیا۔" اس نے خالد کی طرف دیکھا۔

"میں سمجھتا تھا اب میرے دل میں کسی محبت کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ یہ دل اتنا سخت ہو چکا تھا۔ حالانکہ لیزا، نازی، کانتا کون کون راستے میں نہیں آیا۔ لیکن میں کہیں نہیں رکا۔ کسی کے لیے میرا دل گداز نہیں ہوا، لیکن یہ عینا۔۔۔ وہ کل یہاں نہیں تھی، تو مجھے لگتا تھا جیسے کچھ کھو گیا ہو کوئی قیمتی چیز یہ احساس بڑا انوکھا سا تھا۔ میں کل سارا دن اور ساری رات کھونے کے کرب اور پانے کی امید سے گزرتا رہا۔ وہ کل صبح گاؤں گئے تھے۔ آج واپس آ گئے ہیں اور میں یہاں بھاگ آیا۔ مجھے پتا تھا صائم ابھی آ جائے گا اور زبردستی ساتھ لے جائے گا۔ پتا نہیں کیوں میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنی چور سوچوں سے ڈر لگتا ہے۔ اگر اس نے ان کو پڑھ لیا تو وہ کیا سوچے گی۔"

"تم احمق اعظم ہو، ارحم اور کیا کہوں۔" خالد ہولے سے ہنسا۔

"میں سوچ رہا ہوں ڈیڈی سے تو مل لیا، اب چلا جاؤں اگر یہاں رہا تو۔"

"یار ابھی تو تمہاری چھٹی ہے نا۔ چلے جانا۔۔۔ تم کتنے سالوں بعد صائم سے ملے ہو۔ کم از کم جب تک وہ یہاں ہے تب تک تو رکو۔"

ارحم نے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اسے چلے جانا چاہیے واپس اپنے صحراؤں کی طرف۔ وہ یہاں رہا تو خود کو روک نہیں پائے گا۔ اس سے پہلے کہ چنگاری شعلہ بن جائے اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا چنگاری تو شعلہ بن چکی تھی۔

خالد کے گھر سے اٹھا تو یوں ہی بہت دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ جب تھک گیا تو گھر لوٹ آیا اور خدا بخش کو سلام کرتا تیزی سے اپنی انیکسی کی طرف بڑھ

گیا تھا اور آرام کرسی پر گرتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔ اس نے لائٹ بھی نہیں جلائی تھی اور یوں ہی آرام کرسی کی پشت پر سر رکھے وہ کھو سا گیا تھا۔

"تم کیا چیز ہو عہنا جلال۔ تم نے برسوں کی دھول چند دنوں میں جھاڑ دی اور جالے اتار پھینکے۔ اب اندر بہار رقصاں ہے، لیکن یہ بہار کیسی ہے عہنا جلال جس میں خزاں کا خوف زیادہ ہے۔ پھر بھی دل شدت سے چاہنے لگا ہے کہ کوئی ہو جو میرے ہر پل کا نگراں ہو جائے۔ مجھے اس مد جزر سے باہر نکال دے۔ میرے شب و روز مجھ سے چھین کر ان پر قابض ہو جائے میری سوچوں اور میرے دل کی اداسی اور بے چینی کو نوچ کر کہیں دور پھینک دے وہ مجھ پر ہی قابض ہو جائے۔ یہ کیسی خواہش پیدا کر دی ہیں تم نے عہنا جلال میرے اندر۔۔۔ یہ کیسی آرزو ہے، تمہیں ہر پل، ہر لمحہ اپنے ساتھ دیکھنے کی۔"

"ارحم بھائی آپ یہاں اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا اور آپ صبح سے کہاں غائب تھے۔" اس نے لائٹ جلائی اور وہ یوں ہی آنکھیں کھولے اسے دیکھتا رہا۔

"ارحم بھائی۔" وہ قریب آگئی۔

"آپ ٹھیک ہیں نا۔"

"ہاں۔۔۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم لوگ آگئے اماں ٹھیک تھیں۔"

"اماں کمزور ہو گئی ہیں۔" وہ اداس ہوئی تھی۔ "لیکن وہ ٹھیک تھیں۔ پہلے سے زیادہ مطمئن۔ میں نے انہیں پہلے کی طرح بے چین نہیں دیکھا۔ ماہی کا موڈ خراب تھا۔ لیکن پھر صائم کی باتوں نے سب کا موڈ اچھا کر دیا۔ ماہی اس کے صدقے واری جاتی رہیں اور انہوں نے زبردستی روک لیا ہمیں، ورنہ ہمیں تو رات کو ہی واپس آجانا تھا۔ اماں بہت پریشان ہو گئی تھیں ہمارے رکنے سے۔ لیکن کچھ نہیں ہوا۔ مظفر مظفر بھائی کے ساتھ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ ان کو جانا ہوتا ہے ڈاکٹر کے پاس۔ ہم آج ان کے آنے سے پہلے ہی آگئے تھے۔" وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی تھی۔

"یوں بھی صائم اور پھپھو ساتھ تھیں۔ ڈرنے کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن اماں وہ تو رات کو اٹھ اٹھ کر مجھے دیکھتی رہیں کہ کہیں غائب تو نہیں ہو گئی۔"

"ممکن ہے عہنا وہ جو جانتی ہوں، وہ کچھ خوف زدہ کر دینے والا ہو۔"

"ہاں شاید۔۔۔ اور آپ نے بتایا نہیں آپ کہاں تھے۔ سارا دن صائم نے اتنے چکر لگائے اکیڈمی کے۔"

"میں خالد کی طرف تھا۔" اس نے نظریں عہنا کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"صائم آپ سے بہت محبت کرتا ہے ارحم بھائی آپ اپنا دل صاف کر لیں اس کی طرف سے۔"

"میرا دل تو تمہاری باتوں سے پہلے ہی صاف ہو گیا تھا۔ عہنا میں نے سب کو معاف کیا۔ ان کو بھی جنہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی آپ کی خاطر۔" وہ کھل اٹھی۔

"صائم کہاں ہے۔"

"صائم انکل کے ساتھ باہر گیا ہے۔" ایک لمحہ کے لیے اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"یہ صائم بھی بس۔" لبوں پر دلکش مسکراہٹ آکر ٹھہر گئی تھی۔

کل شام وہ اس کے ساتھ گاؤں دیکھنے گیا تھا۔

"ایک بار ارحم بھائی بھی گاؤں آئے تھے۔ تب میں صرف نو سال کی تھی اور ہم نے یہاں بیٹھ کر دیر تک باتیں کی تھیں اور تب ہی میں نے جانا تھا کہ ارحم بھائی کا دل بہت خوب صورت ہے۔"

"تو آج ہم بھی یہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، کیا پتا تم جان جاؤ میرا دل بھی کتنا خوب صورت ہے۔"

"یہ تو میں نے اسی دن جان لیا تھا جب تم ارحم بھائی کا ہاتھ پکڑے گھر کے اندر لائے تھے۔" وہ ہنستے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔

"جاننے کے بعد بتانا بھی ضروری ہوتا ہے لڑکی۔" صائم کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔

"تم جانتی ہو عہنا ان بیتے تین، چار سالوں میں

www.paksociety.com

"تمہیں میں نے سب سے زیادہ سوچا۔"

"مجھے۔"

"ہاں اور تم بالکل ویسی ہی ہو جیسا میرا تصور تمہیں دیکھتا تھا۔" وہ اشتیاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن میں تو تم سے صرف دو بار ملی تھی صائم۔"

"تمہیں پتا ہے نا میں نے تمہاری جو تصویر کھینچی تھی وہ میرے پاس ہے۔"

"ہاں تم نے دکھائی تھی۔"

"مجھے نہیں پتا کہ میں نے وہ تصویر کیوں سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن جب میں بوسٹن ہو گیا تو ایک روز وہ تصویر میرے سامان سے نکل آئی۔ سچی پہلی نظر جب تصویر پر پڑی تو مجھے ہنسی آئی اور مجھے تم یاد آ گئیں۔ دبلی سی شرمیلی' ڈری' ڈری سی میری طرف تم کتنا ڈر' ڈر کر دیکھتی تھیں اور پھر میں اکثر یہ تصویر دیکھنے لگا اور پھر یوں ہوا کہ میں جس روز تمہاری تصویر نہ دیکھتا' مجھے لگتا کہ کہیں کچھ کمی سی رہ گئی ہے اور پھر ایک روز مجھے لگا جیسے مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے اور یہ وہ دن تھا جس دن ماما نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تمہیں گاؤں سے اپنے ساتھ لے آئی ہیں اور یہ کہ تم بہت اٹریکٹو ہو گئی ہو۔ میرا دل چاہا تھا کہ میں ماما سے کہوں کہ آج صبح ہی تو مجھ پر انکشاف ہوا ہے کہ میں آپ کی اس پینڈو بھتیجی سے محبت کرنے لگا ہوں اور کیا آپ کو الہام ہوا ہے کہ آپ آج ہی اسے گاؤں سے لے آئیں۔" وہ بولتا رہا تھا اور وہ حیرت سے ہنستی رہی تھی۔

"عھنا۔ میں نے سوچا ہے کہ جانے سے پہلے ماما سے کہوں گا کہ مجھے تم سے ہی شادی کرنی ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا۔"

"صائم کیسی باتیں کر رہے ہو' میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔"

"کتنی بڑی ہو' دو سال۔" وہ ہنسا۔

"عمر کی دو سالہ بڑائی سے کچھ نہیں ہوتا عھنا ڈیئر' قد میں' عقل میں' ہر لحاظ سے میں تم سے بڑا ہوں اور اگر میں ابھی وہی پہلے والا صائم بن جاؤں بقول تمہارے اکڑو سا تو تم۔۔۔"

"خیر اب میں تمہارے رعب میں نہیں آنے والی۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ میں تم پر رعب جمایا کروں گا۔ بھئی ہم تو دوستوں کی طرح رہیں گے۔ میں صرف تم سے محبت کروں گا اور تم بس میرا خیال رکھنا۔ تم بہت لونگ اور کیئرنگ ہو۔ میں جب بھی اپنی شریک زندگی کے متعلق سوچتا ہوں تو تم میرے سامنے آ کھڑی ہوتی ہو۔ تم میرے تصور میں بالکل ایسی ہی تھیں جیسے میں نے تمہیں یہاں آ کر دیکھا۔ تم یہ مت کہنا کہ تم مجھ سے دو سال بڑی ہو اور یہ بھی مت کہنا کہ تم میرے قابل نہیں ہو' وغیرہ وغیرہ۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا نہیں میرا کام ہے کہ تم کس قابل ہو۔ میں جانے سے پہلے ماما سے تمہارے بارے میں ضرور بات کروں گا۔"

اور اس نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ عینک کے شیشوں کے پیچھے سے اس کی ذہین آنکھیں چمک رہی تھیں اور ان سے جذبے چھلکتے تھے۔

"صائم تم۔"

"نو آر گو۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا تھا۔

"بارہ سال سے میں نے وہ تصویر یوں ہی سنبھال کر نہیں رکھی ہوئی۔"

"عھنا۔" ارحم نے آہستگی سے کہا تو اس نے چونک کر ارحم کی طرف دیکھا۔

"کیا سوچ رہی ہو اتنی دیر سے۔"

"کچھ نہیں۔۔۔ ارحم بھائی میں سوچ رہی تھی کہ آپ کو یہ سب ضرور اچھا لگ رہا ہو گا۔ آدمی رشتوں کے بغیر بھی تو بالکل ہلکا ہوتا ہے' تنکے کی طرح جسے ہوا جدھر چاہے جہاں چاہے اڑا کر لے جائے۔ رشتے جیسے بھی ہوں ہم ان کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ جیسے اماں کو ہی دیکھ لیں۔ اماں جانتی ہیں کہ ناصر ماموں اور ممانی ان کے لیے مخلص نہیں ہیں۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ ان کا بھرم ان ہی سے ہے۔ وہ یہاں آ جاتیں تو اپنی ہی نظروں میں ہلکی ہو جائیں گی۔"

"عھنا تمہاری اماں کی اپنی سوچ ہے اور میری اپنی'

لیکن تمہارے کہنے پر میں نے ایک بار پھر ان رشتوں کو آزمانے کا سوچا ہے۔ باپ اور بھائی کا رشتہ اور سب سے بڑھ کر محبت کا رشتہ۔"

"ضروری نہیں ارحم بھائی محبت ہمیشہ ہی بے اعتبار ٹھہرے۔" اس کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ پر خلوص اور سادہ۔

"تمہارا دل بہت خوب صورت ہے عہنا اور تم ہمیشہ بہت اچھا سوچتی ہو۔ اللہ کرے تمہاری خوب صورت دنیا ہمیشہ خوب صورت رہے۔" وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔

"ارحم بھائی کیا بات ہے۔ آپ بہت اداس لگ رہے ہیں۔" عہنا نے اس کے لہجے میں چھپی اداسی کو محسوس کر لیا تھا۔

"ہاں میں اداس ہوں عہنا۔" اس نے یوں ہی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسے ہی جیسے کوئی بھی پردیس جاتے ہوئے ہوتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اتنے سالوں میں کبھی یہاں سے جاتے ہوئے اداس نہیں ہوا اور نہ ہی آتے ہوئے خوش ہوا۔ بس ایک میکانکی عمل تھا۔ پچھلے بارہ برسوں سے میں ایسی زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن تم نے عہنا سب کچھ بدل دیا۔ میں یہاں سے واپس جا رہا ہوں اور اداس ہوں بہت اداس ہوں۔"

"آپ۔ آپ کیوں واپس جا رہے ہیں ارحم بھائی ابھی تو آپ کی چھٹیاں ہیں نا تو پھر کیا کریں گے وہاں جا کر۔"

"کیا کروں گا وہاں جا کر۔" اس نے مڑ کر عہنا کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر باہر اندھیرے میں دیکھنے لگا۔

"اپنے فلیٹ میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے یا پھر سمندر کے کنارے ٹہلتے چھٹیاں گزار دوں گا اور پھر وہی روٹین لائف شروع ہو جائے گی۔"

"آپ نہ جائیں ارحم بھائی۔ آپ کس سے بھاگ رہے ہیں۔ ارحم بھائی سحر آپی تو آج ملتان چلی گئی ہیں اور آمنہ آپی کی تو پھر دو دن بعد واپسی کینیڈا ملتان میں خرم بھائی کے والد دلوی ہیں ان ہی سے ملنے گئے ہیں وہ۔"

"کیا تمہارے خیال میں سحر سے بھاگ رہا ہوں میں۔" انہوں نے پھر اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں میں اپنے آپ سے بھاگ رہا ہوں عہنا۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"اپنے آپ سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے ارحم بھائی۔" عہنا اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی اور التجا کی۔

"نہ جائیں ارحم بھائی پلیز۔ کیا آپ کو اچھا نہیں لگ رہا۔ یوں سب کے ساتھ مل کر بیٹھنا' باتیں کرنا۔"

"اور میں اس اچھا لگنے سے ہی ڈر رہا ہوں عہنا' خوف زدہ ہو گیا ہوں خود سے۔"

"آپ خود سے کیوں خوف زدہ ہیں' کیا آپ کو ڈر لگتا ہے کہ سحر۔"

"نہیں۔" وہ پورا کا پورا اس کی طرف مڑ گیا تھا۔

"سحر کہیں نہیں ہے اب۔ میں سوچتا تھا' میں سحر کو کیسے دیکھ پاؤں گا۔ شاید وہاں ہی راکھ ہو جاؤں' لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بس میں نے اسے دیکھا ایسے ہی جیسے راہ چلتے کسی بھی اجنبی کو دیکھتے ہیں۔ اس نے شاید میرا احوال بھی پوچھا تھا اور میں نے اس طرح جواب دیا تھا جس طرح کسی اجنبی کو دیتے ہیں۔"

"پھر کیا پھپھو۔"

"نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں انہونی خواہشوں سے ڈر رہا ہوں۔ زندگی میں دوسری بار ایسی desire بے دار ہوئی ہے اور میں اس کے سامنے بے بس ہو گیا ہوں۔" عہنا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا جی چاہنے لگا ہے عہنا کسی کے نرم ہاتھ میرے آنسو پونچھیں۔ کوئی انگلیاں میرے بالوں میں رینگیں اور میں اس مہربان ہستی کی گود میں سر رکھ کر وہ سارے آنسو بہا لوں جو میں نے برقاب کر کے اپنے اندر اتار لیے تھے۔"

"کیا ایسی مہربان ہستی کہیں ہے' کون ہے وہ ارحم بھائی" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ

اشتیاق سے اسے دیکھنے لگی تھی۔
"آپ اتنی بے خبر کیوں ہیں عہنا۔"
اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا اور اس نے فوراً" ہی منہ موڑ لیا تھا۔ ایک بار پھر باہر اندھیرے میں دیکھنے لگا تھا اور عہنا ساکت کھڑی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"نہیں۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "بھلا ارحم بھائی مجھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سحر آپی کہاں اور میں کہاں۔ وہ حسن کی مورت اور میں ایک عام سی سادہ سی لڑکی۔"
"ارحم بھائی۔" اس کی آواز لرزتی ہوئی سی تھی یا ارحم کو محسوس ہوئی تھی۔
"پلیز عہنا' کچھ مت پوچھنا اور کچھ مت کہنا' میں اپنی بے اختیاری پر نادم ہوں۔ آپ نے میرے اس جملے سے کچھ اخذ کیا ہے تو بھول جائیں اسے۔ میں پتا نہیں کس دھیان میں کیا کہہ گیا ہوں۔ میں نے تمہارے آنے سے پہلے سیٹ بک کروالی تھی۔ پرسوں میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گی۔ تم نے میرے تلووں میں چبھے کانٹے نکالنے کی کوشش کی۔ یہ سوچے بغیر کہ تمہارے اپنے ہاتھ بھی زخمی ہو سکتے ہیں۔ وہ بہت خوش نصیب ہو گا عہنا جس کے چمن میں تم مہکو گی۔"
عہنا کے تصور میں صائم کا چہرہ آیا۔
"زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ڈیر۔ دراصل یہ اسی دن طے ہو گیا تھا کہ تمہیں میری دلہن بننا ہے۔ جس روز شادی ہال میں میں نے تمہاری تصویر اتاری تھی۔"
"حالانکہ تب تم صرف بارہ سال کے تھے۔"
"پوت کے پاؤں پنگوڑے میں۔" کا محاورہ تو تم نے سنا ہو گا نا تو۔"
"عہنا تم ابھی صائم کو اور ڈیڈی کو میرے جانے کا نہ بتانا۔ وہ اداس ہو جائیں گے تو ان کو اداس ہوتے کیسے دیکھ پاؤں گا میں۔"
"اور میں۔ کیا میں اداس نہیں ہو جاؤں گی آپ کے جانے سے۔ زندگی اس طرح سب سے کٹ کر نہیں گزرتی ارحم بھائی' آپ نے بہت سارے سال سب سے کٹ کر ناراض رہ کر گزار دیے۔"
"ہاں شاید تم بھی اداس ہو جاؤ گی' لیکن ایک دن تم بھول جاؤ گی۔ اپنی زندگی میں گم ہو کر۔"
"آپ جانتے ہیں۔ ارحم بھائی میں پہلے بھی آپ کو نہیں بھولی تھی' اب بھی نہیں بھولوں گی۔ لیکن میں آپ سے ناراض ضرور رہوں گی۔ اگر آپ نے اپنی زندگی کو یوں ہی ویران رکھا تو۔"
"کیسے آباد کر لوں اسے۔" اس کے لہجے میں درد تھا۔
"میرے مقدر میں شاید نارسائی روز اول ہی لکھ دی گئی تھی اور پلیز مجھ سے ناراض مت رہنا۔ میں تمہاری ناراضی برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ یہ احساس مجھے جینے نہیں دے گا کہ ایک پیاری سی مخلص سی لڑکی مجھ سے ناراض ہے۔"
"وہ کون ہے' آپ کس نارسائی کی بات کر رہے ہیں۔ کیا وہاں۔" اس نے جیسے کھوجنا چاہا تھا۔ اس شک کو دور کرنا چاہتی تھی جو تھوڑی دیر پہلے دل میں پیدا ہوا تھا۔
"کیا جاننا ضروری ہے عہنا۔" وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا تھا۔
"ہاں ارحم بھائی آپ کو میری قسم۔ مجھے بتائیں' شاید میں آپ کی ہیلپ کر سکوں۔"
"اپنی قسم کیوں دی آپ نے عہنا۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا اور جب اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا تھا تو اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ جیسے کرب کی تصویر بنا ہوا تھا۔
"عہنا کچھ باتیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں۔ میرے اختیار میں بھی نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ جو میں آپ سے کہنے والا ہوں شاید کبھی نہیں کہتا" اگر آپ مجھے اپنی قسم نہ دیتیں۔ آپ نہیں جانتیں آپ مجھے کتنی عزیز ہو گئی ہیں۔" ہمیشہ کی طرح وہ کبھی تم اور کبھی آپ کہہ کر بلا رہا تھا۔ عہنا کھڑکی کے پاس خاموش دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی اسے دیکھ رہی

تھی۔

"میں جو کچھ کہوں گا اسے ایک دوست سمجھ کر سن لینا اور دل میں دفن کر دینا ایسے ہی سننا جیسے پہلے تم نے میرے دکھ سنے اور شیئر کیے۔ میرے جانے کے بعد بھول جانا میں نے جو کچھ کہا اور اس کے لیے کبھی خود کو یا مجھے مورد الزام مت ٹھہرانا۔ یہ ایسا ہی ہونا لکھا تھا عمنا میں تم۔ میرے لیے تم سے پرے اور کوئی نہیں ہے۔ میں بری طرح تمہاری محبت میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ میں خود سے یہ سوالات کرتے کرتے تھک گیا کہ کیوں آپ کے دلاسے اور سپورٹ کی آرزو کرنے لگا۔ میرا دل شدت سے کیوں چاہنے لگا ہے کہ آپ کی خوب صورت آواز ہر وقت میرے اردگرد رہے' میں کیوں اپنے سارے آنسو آپ کے لیے بہا دینا چاہتا ہوں۔ میں کیوں چاہتا ہوں کہ میری ہر صبح آپ کی آواز سے ہو اور ہر رات آپ کو دیکھتا ہوا نیند کی وادیوں میں اتروں۔ تو جانتی ہو عمنا ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب تھا۔ محبت۔۔۔ ہر جمع تفریق کے بعد ہی ایک ہی جواب۔"

عمنا پریشان سی کھڑی تھی چپ ساکت' ابھی کچھ دیر پہلے جو خوف اس کے دل میں در آیا تھا وہ سچ تھا۔

"آپ کو الجھا دیکھ کر مجھے اپنا گریبان چاک کرنا پڑا۔ جانے میرے ملنے میں کیا رہا۔ میں یہ سب آپ سے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ دل میں ہی چھپا کر چلا جاتا۔ لیکن۔۔۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور عمنا کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

"میں تمہاری اور اپنی عمر کا فرق اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن دلی جذبے کب عمروں کے تفاوت کو مانتے ہیں۔ کیا میری سوچ اتنی اتھل ہے کہ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" عمنا نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں شاید۔" اس نے اپنے ہاتھ اس کے کندھوں سے ہٹا لیے۔

"میرے لیے تو آپ جیسی روشنی سے چند کرنیں ہی کافی تھیں عمر گزارنے کے لیے۔ کجا میں آپ کی آرزو کروں' جو کچھ کہا بھول جانا' برا لگا تو معاف کر دینا۔" وہ ایک دم تیزی سے پلٹا اور دروازہ دھکیلتا باہر نکل گیا۔

بہت دیر بعد عمنا کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور اس نے انیکسی سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ لیکن اسے لگتا تھا جیسے ایک ایک قدم من من بھر کا ہو گیا ہو۔ باہر اندھیرا تھا۔ پورچ کی لائٹ جل رہی تھی اور اس کی ہلکی روشنی یہاں تک آ رہی تھی۔ اس نے اس مدھم روشنی میں ارحم کو نہیں دیکھا' جو دائیں طرف اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی پورچ کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا ذہن خالی تھا۔ فضا میں خنکی تھی۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھا۔ اسے رونا آ رہا تھا۔ وہ رونا چاہتی تھی اور وہ اس رونے کا سبب نہیں جانتی تھی اور جاننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھے رو رہی تھی جب اندرونی گیٹ کھلا اور چند قدم چل کر صائم بڑی خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

وہ رو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ لیکن اس نے اسے رونے دیا۔ بہت دیر بعد جب اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اپنا چہرہ صاف کیا تو صائم نے پوچھا۔

"اب بتاؤ کیوں رو رہی تھیں۔" اس نے صائم کی طرف دیکھا۔

"یہ اتنے پیارے دل کا مالک شخص۔۔۔ کیا وہ اس کا دل توڑ سکتی ہے۔"

لیکن وہ جس کے ٹوٹے دل کی کرچیاں چن کر اس نے پھر سے اسے ایک شکل دینے کی کوشش کی تھی۔

وہ جو سحر نے اس کے ساتھ کیا تھا وہ اسے ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔

کیا وہ اسے پھر سے نارسائی کے سمندر میں دھکیل سکتی ہے۔ یہ کس دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ آنسوؤں نے پھر یلغار کی۔

"بس۔۔۔ اب اور نہیں۔" صائم نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔

"بہت رو لیا اب شروع ہو جاؤ کیا سحر آپی نے کچھ

کہا ہے۔"

"سحر آپی۔" اس نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیا سحر آپی ملتان نہیں گئیں۔"

"ہاں نہیں گئیں۔"

"کیوں؟" "ان کی مرضی یار خرم بھائی اکیلے ہی چلے گئے ہیں اور وہ دو دن یہاں رہیں گی۔ مما بہت خوش ہیں ان کے آکر رہنے سے۔۔۔ اور ہاں مجھے باتوں میں مت لگاؤ۔ بتاؤ کیوں نیر بہائے جا رہے تھے۔"

"کچھ نہیں ایسے ہی اماں یاد آ رہی تھیں۔"

"میں سمجھا اندر آتے ہوئے سحر آپی نے کچھ کہا ہے تمہیں کیونکہ اندر مما کے پاس آکر کچھ بول رہی تھیں۔"

"کیا۔۔۔" عہنا نے پوچھا۔

"تمہارا نام سنا تھا، بس کیا کہہ رہی تھیں سنا نہیں، چلو اٹھو۔۔۔ اف تمہارے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" صائم نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا ہاتھ صائم کے گرم ہاتھوں میں تھا۔

اور سگریٹ کی طلب میں باہر گیٹ کی طرف جاتے ارحم نے غیر ارادی طور پر ادھر دیکھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے اور عہنا کا ہاتھ صائم کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے نظریں ان سے ہٹائیں۔ ایک شام عہنا نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر پھینک دیا تھا۔

"کیوں اپنا اندر جلاتے ہیں۔ مت پیا کریں، بہت بری لگتی ہے مجھے اس کی بو۔۔۔۔"

اور اس روز کے بعد سے اس نے سگریٹ پینے کم کر دیے تھے اور عہنا کے سامنے تو بالکل بھی نہیں، لیکن آج پھر دل میں شدت سے سگریٹ کی طلب جاگی تھی ایک اور رتجگا اس کا منتظر تھا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے چھوٹا گیٹ کھولتے ہوئے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا۔ وہ دونوں اندر جا چکے تھے۔ لکڑی کے منقش دروازے پر لگے پیتل کے بڑے بڑے الٹے توے جیسے ڈیکوریشن کے لیے لگائے گئے ٹکڑے روشنی میں چمک رہے تھے۔

"کہاں تھیں تم۔" سحر لاؤنج میں بیگم راحت کے ساتھ بیٹھی ڈرائی فروٹ کی ٹرے گود میں رکھے چلغوزے کھا رہی تھی۔

"محترمہ باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی رونے میں مصروف تھیں۔" صائم نے اندر داخل ہوتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور اب بیگم راحت کے پاس کھڑا تھا۔

"لیکن میں جب آئی تھی تب تو تم وہاں نہیں تھیں۔" سحر نے کھوجتی نظروں سے اس کی بھیگی پلکوں اور روئے روئے چہرے کو دیکھا۔

"میں پچھلے لان میں تھی۔"

"وہاں تو اندھیرا ہوتا ہے۔ اور ٹھنڈ میں کیا کام تھا تمہیں وہاں۔" عہنا بنا جواب دیے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ کاش اس وقت سحر آپی نہ آئی ہوتیں تو میں اپنے کمرے میں جا کر آنکھیں موند کر لیٹ جاتی بس۔

"کیوں رو رہی تھیں۔" بیگم راحت نے ٹرے سے ایک کاجو اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"اماں یاد آ رہی تھیں۔" وہی ان کی سوال کر کے خود ہی جواب دینے کی عادت۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"دیکھا ہے تم نے اسے سحر۔ جب سے آئی ہے ہر دوسرے تیسرے روز رونے کا سیشن چلتا ہے۔" بیگم راحت مسکرائیں۔

"کب بڑی ہو گی جانو۔" انہوں نے دو انگلیوں سے اس کے رخسار کو چھوا۔

"اب اماں کو یاد کرنا چھوڑ دو۔ دیکھ لیا ہے نا وہ مطمئن ہیں۔ خوش ہیں۔" اس نے پھر سر ہلا دیا۔

"اچھا تم لوگ باتیں کرو مجھے ایک دو ضروری فون کرنے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تو کیا میں بھی چلتا ہوں۔" صائم کی نظریں اس پر تھیں۔

"تم کہاں جا رہے ہو۔"

"میں ذرا ارحم بھائی کی طرف جا رہا تھا۔ صبح سے غائب ہیں۔ ان محترمہ کو دیکھ کر رک گیا تھا۔"

"لیکن ارحم بھائی تو نہیں ہیں گھر پر۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

"تمہیں کیسے پتا۔" سحر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ۔۔ میں لان میں ٹہل رہی تھی تو انہیں جاتے دیکھا تھا" وہ ایک لمحہ کو سٹپٹائی تھی۔

"کیا خبر آگئے ہوں اب تک۔۔ نہ ہوئے تو پھر ڈاکٹر خالد کی طرف جاؤں گا۔ کیا خبر وہاں ہوں۔ فون بھی نہیں اٹھا رہے۔" صائم چلا گیا تو سحر نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم جانتی ہو عینا کہ میں صرف تمہاری وجہ سے ملتان نہیں گئی۔ کیا پتا زندگی میں پھر کب ملاقات ہو۔ سوچا دونوں بہنیں دو روز اکٹھی رہ لیں گی اور تم گھر سے ہی غائب تھیں۔ ایک گھنٹہ ہو گیا ہے مجھے آئے ہوئے۔"

"مجھے کیا پتا تھا سحر آپی کہ آپ آئی ہیں۔ میرا تو اندر دل گھبراتا ہے تو باہر لان میں نکل جاتی ہوں۔ آپ حمیدہ سے پوچھ لیتیں۔ اس نے نہیں بتایا۔"

وہ نیچے کارپیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اس نے اور بھی کچھ بتایا ہے۔" سحر کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"کیا۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ تم ارحم پر بہت مہربان ہو۔ پھپھو کراچی تھیں تو ان کا کھانا اندر سے جاتا تھا۔ اور تم ان کی دیکھ بھال کے لیے انیکسی میں گھنٹوں گزارتی تھیں۔" اس نے چند چھلے ہوئے چلغوزے اس کے ہاتھ میں رکھے لیکن عینا نے پھر واپس ٹرے میں رکھ دیے اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو۔۔ وہ انکل فراز کے بیٹے ہیں اور انہوں نے مجھے ان کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔"

"بس اتنا ہی۔"

"نہیں صائم اور اماں نے بھی کہا تھا کہ وہ بیمار ہیں۔ پھپھو یہاں نہیں ہیں تو مجھے ان کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"خوب۔" سحر کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"وہ چھوٹا بچہ ہے نا۔"

اب کے عینا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ایک بار پھر قالین کی طرف دیکھ رہی تھی اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

"تم جانتی ہو عینا پھپھو کو وہ کتنا ناپسند ہے اور وہ اس سے کتنی نفرت کرتی ہیں۔"

"پھپھو کا ان سے جو رشتہ ہے وہ جس ظرف کا متقاضی ہے وہ شاید ان میں نہیں ہے لیکن میرا ان سے ایسا کوئی سوتیلا رشتہ نہیں ہے جو میں انہیں ناپسند کروں یا نفرت کروں ان سے۔" سحر کی آنکھوں میں ایک لمحہ کے لیے حیرت نظر آئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

"پھپھو کی ناپسندیدگی کی وجہ اس کا سوتیلا ہونا نہیں ہے عینا۔ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے اس میں کئی اخلاقی برائیاں ہیں۔ شراب پینا۔۔۔ میں جب یہاں رہتی تھی تو تب میں نے خود اسے پیتے دیکھا تھا۔ نشے میں بدمست انسان سے باقی ہر برائی کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"کیا واقعی۔" اب عینا سحر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم نہیں جانتیں عینا۔"

"آپ تو جانتی ہیں نا۔" اس کا انداز معنی خیز سا تھا۔

"اور آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ وہ کیسے ہیں۔" سحر کو پھر حیرت ہوئی یہ اتنا زیادہ اعتماد اس میں کہاں سے آگیا تھا۔ وہ تو بڑی جھینپو سی تھی۔

"اگر حمیدہ پھپھو سے کہہ دیتی یہ سب تو انہیں کتنا برا لگتا پھپھو نے ہمیشہ ہمارا خیال رکھا۔ پہلے میں تھی یہاں اب تم ہو۔ وہ ہم سے محبت کرتی ہیں۔"

"مجھے آپ کی اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے انہوں نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا۔" سحر نے گود میں رکھی ٹرے جھک کر سامنے پڑے ٹیبل پر رکھی۔

"جانتی ہو جب اماں نے انہیں فون کیا تو انہوں نے ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کی اور گاؤں پہنچ گئیں۔ اگر وہ دیر کر دیتیں تو تمہارا نکاح ظفر سے ہو جاتا۔ ساری

تیاریاں مکمل تھیں۔ ان کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھنا۔ بھولنامت۔" عینا ایک بار پھر خاموش ہوگئی تھی۔

سحر یہ کیوں کہہ رہی تھی۔ کیا پھپھو نے اس سے کچھ کہا تھا۔ یا پھر یونہی۔ اس نے ہولے سے سر جھٹکا اور آنکھوں کو کھولا اور بند کیا۔ سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ سحر نے بغور اسے دیکھا۔

"تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ کھانا لگنے تک کچھ دیر آرام کرلو۔ رات میں دونوں بہنیں باتیں کریں گی۔ تمہارے لیے تصویریں بھی لائی ہوں۔ ریان اور حسان کی۔ پورے انگریز ہیں دونوں پچھلے سال بہت منتیں کیں دونوں کی کہ چلو تمہاری خالہ اور نانو سے ملنے جاتے ہیں۔ صاف انکار کردیا۔ بہت جی چاہتا ہے کہ اماں میں اور تم کبھی اکٹھے رہیں۔۔ خیر جاؤ تم۔" عینا اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور سحر نے ریموٹ سے ٹی۔وی آن کیا اور دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یا اللہ یہ کیا ہوگیا ہے۔ اگر صائم کو مجھ سے محبت تھی تو ارحم کے دل میں میری محبت پیدا نہ ہوتی۔ اور اگر ارحم کے دل میں میری محبت پیدا ہوگئی تھی تو صائم کے دل میں نہ ہوتی لیکن اب تو ایسا ہوگیا تھا اور وہ۔۔۔ وہ خود اسے کس سے محبت ہے۔" اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔

اس کے کورے کاغذ جیسے دل پر پہلا لفظ محبت صائم نے لکھا تھا لیکن کل سے پہلے تک اس نے صائم کے لیے ایسا نہیں سوچا تھا ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ وہ اس سے دو سال چھوٹا تھا۔ وہ اس کی پھپھو کا اکلوتا بیٹا تھا۔ خوبصورت ذہین لائق۔ وہ بچپن سے ہی اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ اس سے متاثر تھی اور کل شام کھیت کی منڈیر پر بیٹھے بیٹھے جب اس نے کہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ بارہ سالوں بعد جب اس نے صائم کو دیکھا تو وہ اسے اور اچھا لگا۔ وہ اس کی طرف فخر سے دیکھتی تھی۔ اس کی سوچ اچھی تھی۔ اسے ارحم بھائی کا خیال تھا۔ وہ ہمدرد تھا۔

لیکن کل رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تھی تو اس کی سوچ مختلف تھی۔ وہ یقیناً" ایک اچھا ہمسفر بھی ثابت ہوتا۔ لونگ کیئرنگ۔

اس کا ساتھ اس کے لیے خوشی اور فخر کا باعث تھا۔

اس رات خوابوں میں بھی وہ اس کے سنگ رہی۔ دل کی زمین پر محبت کی کونپلیں۔ سر اٹھا رہی تھیں۔ اور ابھی ان کونپلوں نے پوری طرح سر بھی نہیں اٹھایا تھا کہ ارحم۔ وہ ارحم سے محبت کرتی تھی۔ بہت پہلے سے لیکن وہ بالکل خالص محبت تھی۔ اس محبت کی نوعیت الگ تھی۔ وہ ارحم بھائی تھے۔ اور بہت اچھے تھے۔ سحر آپی ان سے محبت کرتی تھیں اور ان کی نسبت سے وہ بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ پھر اس محبت میں ہمدردی بھی شامل ہوگئی۔

وہ غیر ارادی طور پر ان کا دکھ بانٹنے لگی شاید لاشعوری طور پر وہ سحر کے دیئے زخموں پر پھاہے رکھ رہی تھی یا بقول ارحم کے۔ کفارہ ادا کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ ان کی تلخی۔ ان کا غصہ ان کی ناراضی کچھ بھی اسے برا نہیں لگتا تھا۔ وہ دھکیلتے وہ بار بار ان کی طرف جاتی۔ انہوں نے کتنی بار اس سے منہ موڑا تھا کتنی بار کہا تھا کہ انہیں اس کی مہربانیوں کی ضرورت نہیں۔ اور یہ وہ تھی ناجوان کی طرف لپکتی رہی۔ چاہے کفارہ ادا کرنے کی نیت سے چاہے کسی اور نیت سے تو قصوروار وہ تھی اگر ارحم بھائی کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی ہے تو اس نے خود یہ محبت پیدا کی ہے لاشعوری طور پر ہی سہی۔ آدمی سالوں تپتے صحراؤں میں بھٹکتا رہے اور ریت کی تپش سے پاؤں جلتے ہوں اور سورج آگ برساتا ہو۔ ایسے میں نخلستان نظر آئے تو آدمی اس کی طرف ہی لپکے گا۔ یہی انسانی فطرت ہے تو۔۔۔۔

"کیا پھر نارسائی ان کا مقدر بنے گی۔" اس نے اپنی جلتی آنکھوں کو بری طرح مسل ڈالا۔

"میں اپنی محبتوں میں بہت شدید ہوں اور اپنی شدتوں سے خوف آتا ہے مجھے۔" ایک بار ارحم نے کہا تھا۔

"اس لیے میں کسی کی طرف بڑھا نہیں کہ کہیں پھر نارسائی مقدر نہ ٹھہرے۔"
"مجھے محبت پر یقین نہیں ہے۔ یہ بہت بے اعتبار اور ویران کردینے والا لفظ ہے۔ اس کے پہلو میں صرف آنسو اور رسوائیاں ہیں۔ یہ شخصیتیں کچل دیتا ہے۔"
"تمہیں دیکھ کر یقین ہونے لگا ہے کہ ابھی دنیا میں بے غرض جذبے رکھنے والے ہیں۔ شاید دنیا اسی لیے باقی ہے اب تک تم جیسے لوگوں کی وجہ سے۔ میں آپ کی محبت کے سحر میں گرفتار ہو چکا ہوں عمنا۔ نہیں جانتا کیسے اس سحر سے نکلوں گا لیکن یقین جانیے آپ کے دامن پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ مزید رکا تو اپنی بے اختیاریوں سے عیاں ہو جاؤں گا دوسروں پر بھی ایسے ہی جیسے آپ پر۔" وہ کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی ترازو اس کے ہاتھ میں تھا کبھی ایک پلڑا جھک جاتا کبھی دوسرا اور کبھی ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہو جاتے۔
"کھانا لگ گیا ہے۔ عمنا بی بی۔" شازیہ نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔
"اچھا" اسے بھوک بالکل نہیں تھی لیکن وہ جانتی تھی صائم، پھپھو اور سحر سب ہی اصرار کریں گے۔ پوچھیں گے کیوں بھوک نہیں ہے۔
اس نے اٹھ کر دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے کیے آئینے میں ایک نظر خود کو دیکھا۔ اور پھر منہ ہاتھ دھو کر منہ پر ہلکی سی کریم لگا کر اس نے فریش نظر آنے کی کوشش کی۔
ٹیبل پر سب ہی تھے صائم کے ساتھ ہی ارحم بھی بیٹھا تھا۔ آج سحر ٹیبل کے دوسری طرف اس کے مقابل بیٹھی تھی۔ بے حد فریش سی ہلکے نیچرل لک دیتے میک اپ کے ساتھ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ شاید اس نے ابھی ابھی تازہ میک اپ کیا تھا۔ ایک نظر سحر پر ڈال کر وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ارحم نظریں جھکائے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔
"ڈیڈی کہاں ہیں۔" صائم نے بیگم راحت سے پوچھا۔
"وہ کسی بزنس ڈنر کے لیے گئے ہیں۔"
"آپ نہیں گئیں۔" صائم ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"میرے بچے گھر پر ہوں تو میں دوسروں کے ساتھ کیوں ڈنر کروں۔" وہ مسکرائیں۔
"یہ تو ہے ماما ایک عرصہ بعد ہم یہاں اکٹھے ڈنر کر رہے ہیں۔"
"ارحم تم نے شادی نہیں کی۔" سحر نے اپنی پلیٹ میں چکن پیس رکھتے ہوئے ارحم سے پوچھا۔
"کوئی پسند نہیں آئی یا پھر کوئی پرانی محبت اب تک روکے ہوئے ہے۔" پتا نہیں وہ کیا سننا چاہتی تھی یا کیا جتانا چاہتی تھی۔ عمنا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ارحم مسکرایا۔
"کسی پر اعتبار کرنے کو دل نہیں چاہا کیونکہ لوگ ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوتے وہ آپ کو محبت کا دھوکا دے کر آپ کی پیٹھ میں خنجر مار دیتے ہیں۔" سحر کا رنگ لمحہ بھر کو پھیکا پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا دی۔
"لیکن ارحم کیا تم ساری زندگی یوں ہی گزار دو گے تمہیں اب شادی کر لینی چاہیے۔"
"ہاں ارحم سحر صحیح کہتی ہے شادی کر کے گھر بسا لو۔" بیگم راحت نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"تم کہو تو تمہارے لیے کوئی رشتہ دیکھوں۔" سحر پرجوش ہوئی۔
"میرے سسرال میں ایک دو لڑکیاں ہیں۔"
"اس مہربانی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں مسز خرم۔" ارحم سچ مچ حیران تھا۔
"وجہ کیا ہو گی بھلا ارحم تم بھی بہت عجیب ہو گئے ہو ہم نے اچھے دوستوں کی طرح بہت سارا وقت اس گھر میں اکٹھا گزارا ہے تو تمہیں یوں تنہا دیکھ کر اچھا نہیں لگا۔ افسوس ہوا۔"
"دوست۔" ارحم استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"ہاں دوستی کا رشتہ تو بہت پرخلوص اور بے غرض ہوتا ہے۔" سحر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں کسی بھی رشتے کو نہیں مانتا۔" ارحم یکدم تلخ ہوا تھا۔

"محبت کا رشتہ ہو دوستی کا یا خون کا سب میں زہر بھرا ہے۔ روپیہ پیسہ ایسا گاربیج ہے۔ جو انسان کو اپنی سطح سے بہت نیچے گرا دیتا ہے۔ کیوں بیگم راحت ایسا ہی ہے نا۔" بیگم راحت ایک لمحہ کو سٹپٹائی تھیں۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔"

"یقیناً" ایسا ہی ہے؟" اس کے لبوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

"یعنی تم نے شادی نہیں کرنی صاف بات کرو ادھر ادھر گھماؤ مت۔" سحر نے بیگم راحت کی طرف سے اس کی توجہ ہٹائی۔

"میں تو ہمیشہ صاف بات ہی کرتا تھا چھٹ تو دوسروں نے کیا مجھے۔" تب ہی فون کی بیل ہوئی۔

"سحر باجی آپ کا فون ہے۔ خرم بھائی کا۔ کہہ رہے ہیں آپ موبائل کیوں نہیں اٹھا رہی ہیں۔" شازیہ نے آکر بتایا۔

"اوہ میرا فون اندر کمرے میں ہے۔" سحر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں فون سن کر آتی ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد وہ تینوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ ارحم نے سر جھکائے کھانا کھاتی عینا کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد خاموش اور اداس لگ رہی تھی۔ کیا ضروری تھا کہ میں اس سے دل کی بات کہہ دیتا اور اس پیاری لڑکی کو اداس کر دیتا۔

وہ ایک دم ہی کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب میں چلتا ہوں۔"

"ارے ارحم بھائی آپ نے تو کچھ بھی نہیں کھایا۔"

"بھوک نہیں ہے صائم چلتا ہوں اب۔" عینا نے ایک دم سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد تھکا تھکا اور نڈھال لگ رہا تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"سوری۔" ارحم نے اس کی طرف دیکھا دونوں کی نظریں ملیں اور پھر ارحم بیگم راحت کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری وجہ سے اگر کوئی ڈسٹرب ہوا ہو تو۔"

"کمال ہے ارحم بھائی۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ کوئی بھلا کیوں ڈسٹرب ہو گا۔" جواب صائم نے دیا تھا۔

"آپ لوگ کھانا کھائیں پلیز۔" اس نے صائم کے کندھے کو ہولے سے تھپکا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"عینا۔" صائم بہت آہستگی سے آکر اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے چونک کر صائم کی طرف دیکھا۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر باہر آکر لان میں مصنوعی پہاڑی کے پیچھے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم کچھ پریشان ہو عینا۔ میں کل سے نوٹ کر رہا ہوں۔ حالانکہ جب ہم گاؤں سے آرہے تھے تو تم خوش تھیں ماما سے ملنے کی خوشی تمہارے چہرے سے جھلکتی تھی لیکن یہاں آکر تم پریشان ہو گئیں۔ مجھے نہیں بتاؤ گی عینا۔"

عینا نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ اسے کیا بتائے کہ وہ کس الجھن میں ہے۔ پوری رات وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ سحر کا موڈ باتیں کرنے کا تھا۔

"میں تمہارے لیے رکی ہوں عینا اور تم آنکھیں موندے پڑی ہو۔ یار اٹھو باتیں کرو مجھ سے چھ سالوں کی باتیں تم کیا ماما کا رویہ بہت خراب ہو گیا تھا جو اماں نے پھپھو کو تمہیں لے جانے کے لیے کہا۔"

"ہمیشہ جیسا ہی تھا۔" وہ یونہی آنکھیں موندے موندے بولی تھی۔

"طبیعت خراب ہے کیا۔" سحر نے محبت سے اسے دیکھا۔

"سر میں درد ہے آپی بہت درد۔"

"لاؤ میں دبا دوں۔"

سحر نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور ہولے ہولے دبانے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ یہ اس کی بہن تھی اور بچپن سے ہی وہ دونوں اپنی ہر بات ایک دوسرے سے کرتی تھیں۔ جب سحر کو ارحم سے محبت ہوئی تھی تو سحر نے اسے ہی بتایا تھا حالانکہ وہ بہت چھوٹی تھی پھر بھی۔ لیکن پھر سحر بدلنے لگی۔ خرم کے متعلق اس نے عھنا سے کوئی بات نہیں کی تھی اور اس سے شادی کرلی۔ لیکن ارحم بھائی کو دھوکا دیا۔ پھپھو کے ساتھ مل کر ایک تیر سے دو شکار۔ ارحم نے کہا تھا۔ میں نے لوگوں کو پڑھنا سیکھا ہے ساری عمر گنوا کر اور اب میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے جب چھوٹ کیا گیا تو کیوں اور کیسے۔

اس نے آہستگی سے سحر کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹایا تھا۔ وہ اپنی الجھن سحر سے شیئر نہیں کرسکتی تھی۔ کبھی نہیں اسے جو بھی فیصلہ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔

"تم اداس اور پریشان مت رہا کرو عھنا۔" سحر کہہ رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے تم بھی میری طرح ایک اچھی زندگی گزارو گی۔ پھپھو تمہارا رشتہ کسی اچھی جگہ طے کردیں گی۔"

"مجھے اس طرح کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میں تو وہاں گاؤں میں بھی بہت خوش تھی آپی۔"

"عھنا تم بہت معصوم ہو۔ بہت سادہ' اپنا بہت خیال رکھنا۔ یہ ارحم پتا نہیں کب تک یہاں ہے۔ مجھے بہت فکر رہے گی۔ اس سے دور ہی رہنا۔"

"عھنا کہاں کھو گئی ہو یار' بتاؤ نا کیا مسئلہ ہے۔" صائم نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"مسئلہ تو ہے صائم۔" اس نے افسردگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو یار بتاؤ نا مسئلہ۔" صائم مسکرایا۔

"صائم تم ارحم بھائی سے کتنی محبت کرتے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"کیا محبت ناپنے کا بھی کوئی پیمانہ ہوتا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"پھر بھی کیا تم ان سے اتنی محبت کرتے ہو کہ ان کے لیے اپنی کسی پسندیدہ چیز سے دستبردار ہو جاؤ۔"

"ہاں کیوں نہیں' محبت کے معاملے میں چیزیں کیا اہمیت رکھتی ہیں ڈیر۔ ارحم بھائی جس چیز پر بھی ہاتھ رکھیں گے ان کے لیے حاضر ہے۔"

"اگر وہ تم سے کہیں کہ تم اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤ۔ یعنی تم مجھ سے شادی۔"

"یہ کیا سوال ہوا یار۔" وہ جھنجلایا۔

"اور تم چیز نہیں ہو۔ صاف بات کرو کیا الجھن ہے تمہارے ذہن میں اور کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"صائم۔"

اس کی پلکیں نم ہوئیں اور پھر آنسو رخساروں پر لڑھک آئے۔

"سحر آپی نے ارحم بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا آپ جانتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا سب۔"

"ہاں۔" صائم نے سر ہلایا۔

"رشتوں' محبتوں' ہر چیز سے ان کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ ہمیشہ ہر رشتہ برا نہیں ہوتا اور ہر محبت بے اعتبار نہیں ہوتی۔ مجھے نہیں پتا کب کیسے۔ لیکن ارحم بھائی مجھے چاہنے لگے۔" وہ ہولے ہولے سر جھکائے بول رہی تھی اور صائم خاموشی سے سن رہا تھا۔

"یہ میں تھی نا صائم جس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ بے غرض محبت کا بھی وجود ہے۔ وہ تو اپنی دنیا میں خوش تھے۔ تم نے انہیں دیکھا نہیں جب وہ آئے تھے ان کا سپاٹ چہرہ ان کی ویران آنکھیں تم نے نہیں دیکھیں جن میں دھول اڑتی تھی۔ میں نے دیکھا سب اس احساس جرم کے ساتھ کہ اس شخص کی زندگی میں زہر گھولنے والے اور کوئی نہیں' میرے اپنے تھے۔ سحر آپی نے ان کے ساتھ محبت کا ڈراما کیا اور پھر بہتر آپشن ملنے پر پھپھو کے ساتھ مل کر اس کا انجام کردیا۔" اس کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔

"ان کی اپنی ایک تنہا دنیا تھی۔ میں اس میں زبردستی گھسی صائم۔"

"تو تم کیا چاہتی ہو اب۔" صائم کی آواز ٹوٹتی ہوئی سی تھی۔

"میں۔۔۔ میں چاہتی ہوں انہیں ایک بار پھر اس اذیت سے نہ گزرنا پڑے جس سے پہلے گزرے ہیں۔ بچھڑ جانے کی اذیت کھو دینے کا دکھ وہ اپنی اسی تنہائی کی دنیا میں واپس نہ جائیں۔ محبتوں پر ان کا جو یقین بحال ہوا ہے وہ قائم رہے۔"

"یعنی تم۔"

"ہاں میں نے فیصلہ کیا ہے کہ۔"

"نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" صائم نے اس کی کاٹ دی۔

"میں نے تو کل رات مما سے بھی بات کر لی اور ماما کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا۔ بس انہوں نے کہا کہ میری تعلیم مکمل ہو جائے تو۔۔۔ نہیں عنہا تم صرف اتنی سی بات پر اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتیں۔"

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے صائم۔۔۔ تمہیں اگر ارحم بھائی کو جاننے کا دعوا ہے تو سمجھ سکتے ہو۔"

"تم بارہ سال پرانی تصویر سے ابھری تھیں عنہا اور تمہاری شبیہ کو مجسم کرنے کی کوشش میں کتنی راتیں میں نے جاگ کر گزاریں اور پھر فیصلہ کیا۔ تم اب جیسی بھی ہو مجھے تم سے ہی شادی کرنا ہے۔"

عنہا روتے روتے جیسے تھک سی گئی تھی۔

"لیکن میں نے پرسوں شام سے پہلے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ تمہارے لیے۔۔۔ تم میرے لیے صرف صائم تھے پھپھو کے بیٹے۔"

"لیکن پرسوں شام تمہیں یہ نیا تعلق اچھا لگا تھا اور تم نے سوچا تھا مجھے اور تمہاری آنکھوں میں جگنو دمکے تھے اور خوشی تمہارے وجود سے پھوٹتی تھی۔"

"ہاں۔" عنہا نے آہستگی سے پھر کہا۔

"اور کل صبح سے پہلے تم نے ارحم بھائی کے لیے بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو صائم۔" اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"لیکن۔۔۔"

"کوئی لیکن ویکن نہیں عنہا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"فضول میں اپنا دماغ مت کھپاؤ۔ جب ارحم بھائی نے خود ہی تم سے کہہ دیا ہے کہ وہ کل یہاں سے چلے جائیں گے تمہیں اور انہیں یاد بھی نہیں رہے گا۔"

"تم ارحم بھائی کو بالکل بھی نہیں جانتے صائم۔"

"ٹھیک ہے نہیں جانتا۔۔۔ لیکن میں اپنی محبت چھوڑنے کی قربانی نہیں دے سکتا ان کے لیے۔ یوں ان کے لیے جان بھی حاضر ہے اور تمہیں بھی قربانی دینے اور سحر کے کیے کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ تیز تیز چلتا ہوا لان سے گزر کر برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی گیٹ دھکیلتا اندر چلا گیا اور وہ وہاں ہی لکڑی کے تنے پر جسے بیٹھنے کے لیے تراشا گیا تھا' بیٹھی رہی۔

"پوری دنیا میں تمہارے علاوہ میرا کوئی دوست نہیں۔" ارحم کی آواز اس کے کان میں گونجی۔

"جی چاہتا ہے تمہیں اتنی بڑی دنیا میں لے کر گم ہو جاؤں۔" اس روز وہ لان میں بیٹھے تھے جب نہ جانے کس بات پر ارحم نے کہا تھا۔ شاید وہ کوئی بے اختیاری کا لمحہ تھا۔ وہ ہی جان نہ پائی۔

"تم کامیاب ٹھہریں عنہا جلال تم نے میرا حصار توڑ دیا۔ میں تمہاری باتوں پر ایمان لایا۔ اب بھاگ بھاگ کر یہاں مت آیا کرو۔"

"کیوں' کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں۔" وہ ہنسی تھی۔

"نہیں خود سے ڈرتا ہوں۔"

جب خول ٹوٹ ہی گیا تو خود سے کیا ڈرنا۔

کاش وہ تب ہی رک پاتی' دور ہو جاتی اور ارحم۔

پتا نہیں کتنی دیر ہو گئی تھی اسے بیٹھے ہوئے سورج نکل آیا تھا۔ لان میں چڑیوں کی چہکار تھی۔ جب شازیہ اسے بلانے آئی۔

"باجی ناشتا لگ گیا ہے آجائیں۔" وہ دھیمے دھیمے چلتی ہوئی اندر آئی تھی۔ صائم روٹھا روٹھا سا بیٹھا تھا۔ ٹیبل پر صرف وہ صائم اور سحر تھے۔ صائم صرف چائے

بی کر اٹھ گیا تھا۔ بیگم راحت اور فراز انکل ناشتا کر رہے تھے۔ سحر ابھی ابھی کرتے تھے۔ سو ٹیبل پر لبنیٰ اور سحر تھیں۔

"یہ صبح صبح اٹھ کر تم کہاں چلی گئی تھیں عہنا۔" انہوں نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"لان میں واک کے لیے جاتی ہوں۔"

"اس موسم میں بھی اتنے سویرے تو ٹھنڈ ہوتی ہے۔"

"میں کچھ دیر تک گھر چلی جاؤں گی۔ خرم کا فون آیا تھا۔ وہ بارہ بجے تک آجائے گا ملتان سے اور پرسوں میری فلائٹ ہے۔ تم تو گی نا ایئر پورٹ پر پھپھو کے ساتھ۔" اس نے سرہلا دیا۔

"ارے ہاں۔ یہ صائم کیا کہہ رہا ہے۔"

"کیا۔"

"وہ شادی کرنا چاہتا ہے تم سے۔ مجھے میں تو حیران ہی رہ گئی۔ میرے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ تم سے چھوٹا ہے نا اس لیے، چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔ بتا رہا تھا پھپھو کو بھی اعتراض نہیں۔" خوشی اس کے لہجے سے چھلکتی تھی۔

"لیکن مجھے تو اعتراض ہے۔" عہنا کہنا چاہتی تھی، لیکن خاموش رہی اور خاموشی سے چائے گھونٹ گھونٹ کرکے پیتی رہی۔

"تم تو مجھ سے بھی زیادہ لکی ہو یار۔" سحر بے حد خوش نظر آرہی تھی اور اپنی خوشی میں اس نے عہنا کے چہرے پر بکھری اداسی پر غور نہیں کیا تھا۔

"صائم خرم کے مقابلے میں بہت اچھا ہے۔ ہر لحاظ سے، میرا خیال ہے وہ منگنی ابھی کروائے گا اور شادی اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد۔ اف لوگ ہی کتنا جلیں گی۔" وہ ہنسی۔

"وہ اور ان کے منصوبے سب خاک میں مل جائیں گے۔ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہی تھیں۔ اپنے ایبنارمل بیٹے کے لیے دلہن اور ساتھ میں مفت کی نوکرانی۔ میں تو کہوں گی صائم سے نکاح بھی کر لے، منگنی کا کیا، پھر کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے۔" عہنا نے ایک گہرا سانس لے کر خالی کپ ٹیبل پر رکھا۔

"آپی میرے سر میں درد ہے اور نیند بھی آرہی۔ میں کچھ دیر سونا چاہ رہی ہوں۔"

"ہاں۔ ہاں ضرور کچھ دیر سو جاؤ۔ میں دیکھ رہی تھی رات تم بالکل نہیں سو پائیں۔ جب بھی آنکھ کھلتی تھی تمہیں کروٹیں بدلتے دیکھتی تھی۔"

عہنا کھڑی ہوگئی۔ سحر بھی اٹھی تھی اور اسے گلے لگاتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

"میں بہت خوش ہوں عہنا، بہت خوش۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا جب مجھے صائم نے بتایا کہ ارحم بھی یہاں ہے۔ وہ جادوگر ہے۔ مجھے ڈر تھا تمہیں اسیر کرلے گا۔"

"آپ کو تو اسیر نہیں کیا۔" عہنا نے الگ ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ لمحہ بھر کو وہ چپ ہوگئی۔

"کرلیتا اگر خرم میرے سامنے نہ ہوتا۔" سحر کبھی لاجواب نہیں ہوتی تھی۔ آج بھی ایسی ہی تھی۔

"خرم اکلوتا نہیں ہے۔ اس کی بہنیں ہیں، بھائی ہے، اس کی جائیداد کے حصہ دار، لیکن تم اکلوتی مالک ہوگی اس اتنی بڑی جائیداد کی۔ صائم تنہا وارث ہے سب کا۔"

"آپ بھول رہی ہیں آپی۔ صائم کا بھی ایک بھائی ہے۔"

"کون ارحم۔" سحر کی سوالیہ نظریں عہنا کی طرف اٹھیں۔ ان نظروں میں تمسخر سا تھا۔

"تمہیں شاید علم نہیں ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اس نے انکل سے کہہ دیا تھا کہ وہ ہر شے سے دستبردار ہو رہا ہے۔"

"جب انہوں نے کہا، میں ان کا بیٹا نہیں ہوں تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں ان کی محبت کے ساتھ ساتھ ان کی ہر شے سے دستبردار ہوں۔" اس کے کانوں میں ارحم کی آواز گونجی۔

"ان کے کہہ دینے سے ان کا حق ختم تو نہیں ہوجاتا۔ وہ انکل فراز کے بیٹے ہی رہیں گے ہمیشہ۔"

"یار فکر نہ کرو، یہ سب تمہارا ہے۔ میں ارحم کو بہت

اچھی طرح جانتی ہوں۔ ایک دفعہ اس نے کہہ دیا ہے نا تو وہ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔ یہ جو تمہیں یہاں نظر آیا ہے نا تو صرف انکل فراز کی وجہ سے۔ پورے چار سال اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ پھر انکل کا ہارٹ فیل ہوا۔ اور۔۔۔"

"آپ ان کو اتنا جانتی تھیں۔ پھر بھی آپ نے انہیں چھوڑ دیا آپی۔" اس کی آنکھیں جھلملائیں اور وہ تیزی سے مڑ گئی۔ سحر وہاں ہی کھڑی اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ جس کا ہر اٹھتا قدم اس کے فیصلے کو مضبوطی عطا کر رہا تھا۔ فیصلہ تو اس نے رات کو ہی کر لیا تھا۔ لیکن سحر کی باتوں نے اس پر مہر لگا دی تھی۔ سحر نے اسے کمرے میں جاتے دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر بیگم راحت کی طرف متوجہ ہو گئی جو اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف جا رہی ہیں۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے بیڈ پر گھٹنوں کے گرد بازو حمائل کیے اور گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ جب دستک دے کر صائم اندر آیا۔

"ہیلو میم کیا چھٹی منائی جا رہی ہے۔" لہجے میں شوخی تھی۔۔۔ عنہا نے اس کی طرف دیکھا۔ عینک کے شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں میں وہ چمک اور شوخی نہ تھی جو ان آنکھوں کا خاصہ تھی۔

"ہاں جی نہیں جا رہا تھا۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"تو تم نے فیصلہ کر لیا۔" صائم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"ہاں میرے دل میں تمہارے اور ارحم بھائی کے لیے ایک سے جذبات ہیں۔ میں تم سے دوستوں کی طرح بے تکلف ہوں اور ارحم بھائی کا بہت احترام کرتی ہوں۔ تم سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ ارحم بھائی سے ایسا کوئی رشتہ نہیں۔ میں تم دونوں سے محبت کرتی ہوں۔ میں تم دونوں کو دکھ نہیں دینا چاہتی۔ کاش تم میرے لیے ایسا نہ سوچتے یا پھر ارحم بھائی ہی ایسا نہ سوچتے۔ لیکن بہت سی باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں صائم۔ لیکن مجھے فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور میں نے۔۔۔"

اس نے ارحم کی طرف دیکھا جو بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"صائم تم بہت اچھے ہو۔ تمہیں بہت اچھی لڑکی مل جائے گی جو مجھ سے بھی اچھی ہو گی اور تمہیں شاید دو تین سالوں بعد یاد بھی نہ رہے کہ تم نے ایسی کوئی خواہش کی تھی۔ لیکن ارحم بھائی کا دل دوسری بار یہ دکھ برداشت نہیں کر پائے گا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرا دل پہلی بار تمہارے نام پر دھڑکا تھا۔ میں نے وہ خاص جذبہ تمہارے لیے محسوس کیا تھا۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ ایک دن آئے گا جب میرا دل ارحم بھائی کے لیے بھی ایسے ہی دھڑکے گا۔ یہ تھوڑا مشکل ضرور ہو گا' لیکن ناممکن نہیں۔ ایک دن میری محبت ان کے دل سے پچھلے سارے دکھوں اور غموں کو دھو دے گی۔ پلیز صائم مجھے تمہاری سپورٹ کی ضرورت ہے۔ کچھ ایسا مت کرنا جو۔۔۔"

"تم کیا سمجھتی تھیں کہ تم ارحم بھائی سے بہت محبت کرتی ہو اور میں ایک خود غرض شخص ہوں سحر آپی اور ماما کی طرح۔ مجھے اپنی خواہش ان کی آرزو سے زیادہ عزیز ہے۔ صرف تمہارے اندر دینے کا حوصلہ ہے۔ باقی سب مہا کنجوس ہیں۔ میں نے بارہ سال ان کی واپسی کی دعائیں اس لیے نہیں مانگی تھیں کہ وہ میری ایک اسٹوپڈ خواہش کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے پھر سے کھو جائیں۔ ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر کے لیے خود غرض ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا۔ نہیں میں اس لڑکی کو نہیں کھو سکتا جو بوسٹن کی ایک کہر آلود شام میں چپکے سے میرے دل میں اتر آئی تھی اور جس کی بارہ سال پرانی تصویر میرے سامان سے میرے والٹ میں منتقل ہو گئی تھی اور جسے سونے سے پہلے میں ہر رات دیکھتا تھا۔ میں ارحم بھائی کو تم سے زیادہ جانتا تھا۔ مجھے صرف ارحم بھائی سے اتنا کہنا تھا۔ ارحم بھائی مجھے عنہا اچھی لگتی ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور

مجھے پتا تھا۔ ارحم بھائی نے مڑ کر تمہاری طرف دیکھنا تک نہ تھا۔ چاہے خود ان کا وجود راکھ بن کر اڑ جاتا۔ انیکسی کی طرف جاتے میرے قدم تھم گئے۔ میرے اندر بیٹھے صائم نے مجھ سے کہا اور کیا تم ارحم کو کھو سکتے ہو۔ جس کی انگلی پکڑ کر تم نے چلنا سیکھا۔ اپنے بچپن کی بہت سی راتیں۔ جس کے بیڈ پر تم سو جاتے تھے اور وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جاتا تھا۔ میرے دل نے کہا نہیں اور میں واپس پلٹ گیا۔ مجھے یقین تھا تمہارا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔ وہ لڑکی جسے میرے دل نے چنا وہ بڑے دل اور بڑے ظرف کی مالک ہے۔ لیکن اگر تمہارا فیصلہ اس کے برعکس ہوتا تو شاید تم میرے دل سے اتر جاتیں ہمیشہ کے لیے۔ مجھے لگتا میرا انتخاب غلط تھا۔ لیکن میرا انتخاب غلط کیسے ہو سکتا تھا۔ آخر کو میں ایک جینئس لڑکا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"صائم۔" عھنا نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا۔ اس کے ہاتھ تھامے وہ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور اس کے آنسو صائم کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

"صائم۔"

"کچھ مت کہو عھنا۔ تھوڑا وقت لگے گا۔ لیکن پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مسکرایا۔ لیکن اس کی عینک کے شیشے دھندلے ہو رہے تھے یا آنکھیں اس نے پلکیں جھپکائیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس کے آنسوؤں سے عھنا کا من بھیگتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو ایک اور نارسائی تمہارا مقدر ٹھہری ارحم فراز خان۔" ارحم کھڑکی کے پاس باہر دیکھ رہا تھا۔ وہاں لیموں کے پودوں کے پاس کھڑی وہ چپکے چپکے سے اسے دیکھتی اور وہ انجان بن جاتا تھا۔ ایک نازک دل لڑکی جو اس کے لیے پھول اور مسکراہٹیں ڈھونڈنے نکلی تھی نہیں جانتی کہ ابھی مجھے کتنا سفر یا راہ طے کرنا ہے اور کتنے کانٹے چنے ہیں۔ پتا نہیں کیسے سمیٹ پاؤں گا میں یہ سب۔ کیسے نکال پاؤں گا میں اسے زندگی سے۔

وہ مڑا اور اس کی حیران آنکھوں نے عھنا کو دیکھا جو کمرے کے بیچوں بیچ اس کے بیگ کے پاس کھڑی تھی۔ پتا نہیں وہ کب چپکے سے اندر آئی تھی۔ اس کے لبوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ تھی۔

"یہ۔" اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"کوچ کا ارادہ ہے۔"

"بتایا تو تھا تمہیں عھنا۔" اس نے نظریں عھنا کے چہرے سے ہٹالیں۔

"آپ ایسے کیسے جا سکتے ہیں میرے دل میں اپنی محبت جگا کر۔ مجھے ہمیشہ کے لیے نارسا چھوڑ کر۔ آپ اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔ لیکن۔ شاید۔" وہ تیزی سے پلٹی تھی۔

"رکو۔ رکو عھنا۔" ارحم چونکا اور اس نے یکدم اسے بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا۔

"زندگی کے کربلا میں فرات کی جھلک دکھا کر کیوں گم ہونا چاہتی ہو عھنا۔ کہو پھر سے کہو کیا کہا تھا۔" خوشی سے لرزتی آواز میں کہتا وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ عھنا کی آنکھیں جھلملا گئیں اور ان جھلملاتی آنکھوں میں صائم کا عکس لمحے بھر کو لہرایا اور وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی اور ارحم کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر نظریں جھکالیں۔

☼ ☼ ☼

ٹائی باندھتے ہوئے فراز خان نے مڑ کر بیگم راحت کی طرف دیکھا۔

"میں نے آپ سے کل بات کی تھی کہ میں عھنا کو بہو بنانا چاہتی ہوں۔"

"ہاں اور مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔"

"وہ دراصل ابھی سحر نے گھر جانے سے پہلے ایک خواہش ظاہر کی ہے فراز کہ اگر ہم آج یا کل شام صائم اور عھنا کی منگنی کا چھوٹا سا فنکشن کر لیں تو وہ بھی اس تقریب میں شرکت کر لے۔ پردیس میں رہنے والوں

کے لیے۔ یہ حسرت ہی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے پیاروں کی خوشیوں اور غموں میں شریک نہیں ہو پائے۔ کیا ممکن ہے ایسا۔"

"ہوں۔۔ ممکن۔۔ تو ہے راحت لیکن تصحیح کر لو صائم اور عہنا نہیں۔ "ارحم اور عہنا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ فراز میں نے آپ کو بتایا تھا صائم پسند کرتا ہے عہنا کو اس نے خود مجھ سے کہا تھا۔"

"ہاں۔۔ لیکن ارحم کے لیے بھی صائم نے ہی مجھ سے کہا تھا۔"

"کب۔۔" بیگم راحت حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ لاؤنج میں بیٹھی سحر سے باتیں کر رہی تھیں۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ صائم یہ کیسے کہہ سکتا ہے۔"

"صائم نے ایسا ہی کہا ہے راحت۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔ وہ ڈریسنگ کے سامنے سے ہٹ کر ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں میرا بیٹا عہنا سے محبت کرتا ہے۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا۔" وہ بڑبڑائی تھیں۔

"اگر تم ارحم سے اس کی شادی کے لیے راضی نہیں ہو گی تو صائم کبھی عہنا سے شادی نہیں کرے گا۔ یہ جان لو۔" وہ ان کے قریب آئے۔

"میں نے آج تک کبھی تمہیں کچھ جتایا نہیں۔۔ لیکن میں جانتا تھا میں بہت پہلے جان گیا تھا سب، وہ سب جو تم نے سحر کے ساتھ مل کر میرے بیٹے کے ساتھ کیا تھا۔ آج تمہیں اپنی غلطی کے ازالے کا ایک موقع مل رہا ہے تو اسے مت گنواؤ۔"

بیگم راحت کا چہرہ یکدم سفید پڑ گیا تھا اور وہ بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئیں جیسے گرنے سے بچنا چاہتی ہوں۔

"عہنا کا اختیار تمہارے پاس ہے۔ مونا بھی وہی کریں گی جو تم کہو گی۔ تمہیں انکار ہے تو یاد رکھنا تم ہم سب کو کھو دو گی۔ صرف مجھے ہی نہیں صائم کو بھی ہم ارحم کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

وہ بیڈ پر سے اپنا والٹ اٹھاتے تیزی سے باہر نکل گئے اور بیگم راحت کسی کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ اٹھیں اور بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی لاؤنج تک آئیں جہاں فراز خان کھڑے صائم سے کچھ کہہ رہے تھے۔

"صائم یہاں کھڑے کیا گپیں لگا رہے ہو، بھائی کو بھی تو خبر کرو کہ آج ہی شام اس کی منگنی ہو رہی ہے۔"

وہ زبردستی مسکرائی تھیں، لیکن فراز خان نے جن نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ انہیں لگا جیسے خوشی کی ایک لہر سی اندر تک پھیل گئی ہو، سچی خوشی کی، صائم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"آج۔۔۔ یعنی آج۔۔" اور پھر اندرونی دروازہ کھولتا انیکسی کی طرف بھاگا۔ جہاں ابھی تک ارحم، عہنا کا ہاتھ تھامے خواب کی سی کیفیت میں کھڑا تھا۔ عہنا کی لانبی پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔

"میرے زخم پھر سے گلاب ہوں۔"

وہ ہولے سے گنگنایا تھا

کبھی گنگناؤ تو اس طرح
کبھی مسکراؤ تو اس طرح
میری دھڑکنیں بھی لرز اٹھیں
کبھی یاد آؤ تو اس طرح
کہ لہو کی ساری تمازتیں
تمہیں دھوپ دھوپ سمیٹ لیں
تمہیں رنگ رنگ نکھار دیں
میرے زخم پھر سے گلاب ہوں

وہ اس کے ہاتھ ہاتھوں میں لیے گنگنا رہا تھا اور عہنا کا دل ایک نئی تال پر دھڑک رہا تھا۔

✡ ✡